جلد نمبر
27

ابنِ صفی

جاسوسی دنیا

82- الٹی تصویر

83- چمکیلا غبار

84- انوکھی رہزنی

جاسوسی دنیا نمبر 84

انوکھی رہزنی

(مکمل ناول)

پیشرس

کرنل فریدی اور کیپٹن حمید کی نئی کہانی حاضر ہے! اسے بھی آپ پچھلی کہانیوں سے مختلف پائیں گے! جس شخص کے گرد کہانی گھومتی ہے، بے حد پُراسرار تھا کہ اس پر ہاتھ ڈالنا آسان کام نہ ہوگا۔ لیکن مجرم خواہ کتنا ہی چالاک کیوں نہ ہو، ایک دن لازمی طور پر قانون کے شکنجے میں بے بسی سے ہاتھ پیر مارتا ہوا نظر آتا ہے۔

اس بار فریدی نے حمید سے کوئی کام نہیں لیا لیکن اس کے باوجود بھی وہ ایک اہم ترین کام تھا۔ کیونکہ اس کا مقصد تھا مجرم کو دھوکے میں رکھنا۔ اہم ترین کاموں کے لئے غیر معروف آدمی منتخب کئے تھے، یہی وجہ تھی کہ مجرم بے باکانہ اُسے اُلو بنانے کی کوشش کرتا تھا اور یہی کوششیں اُسے بالآخر لے ہی ڈوبیں!

آج کل کہانیوں کے سلسلے میں بڑی عجیب فرمائشات آرہی ہیں، انہیں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ "کیپٹن حمید اور کرنل فریدی کو چاند میں بھیجئے۔"

نہیں بھائی! ذرا سوچئے تو اگر میں نے انہیں چاند میں بھیج دیا تو کیا خود

زمین پر رہ کر خاک پھانکوں گا۔ یا پھر ٹھہریئے.... ذرا انہیں دیکھ لیجئے جو چاند میں پہنچنے کے منصوبے بنا رہے ہیں، جب اُن کی خیریت کا خط آجائے گا تو میں بھی ان دونوں کی خیریت خداوند کریم سے نیک چاہتا ہوا انہیں چاند کے لئے روانہ کر دوں گا۔ ویسے فی الحال اگر جی چاہے تو ''چندا ماما تاتا'' والا گیت سن لیجئے کیونکہ ابھی تک وہ بچہ جسے آدمی کا باپ کہتے ہیں، چاند کے معاملے میں اس گیت سے آگے نہیں بڑھ سکا۔ پھر آپ خود سوچئے اگر وہاں حمید کو مرغیوں کے سے چہرے اور گلہریوں کی سی دمیں رکھنے والی لڑکیاں نظر آئیں تو اُس غریب کا کیا حال ہوگا! کیا اس کی خودکشی آپ کے لئے افسوسناک نہ ہوگی! ویسے زمین پر تو وہ یہی سوچتا ہے کہ ''زندگی چاند سی عورت کے سوا کچھ بھی نہیں۔''

باقی سب خیریت ہے دیگر احوال یہ ہے کہ چاند کا سفر یہ لوگ اُسی وقت اختیار کریں گے جب زمین ان پر تنگ ہو جائے گی۔ فی الحال اس کا کوئی امکان نہیں۔

ابنِ صفی

۲۶رجولائی ۱۹۵۹ء

ناخواندہ مہمان

سر سجاد اور اس کی بیٹی رضوانہ ڈائننگ روم میں داخل ہوئے۔ میز پر پلیٹیں لگادی گئی تھیں اور باورچی شاید کچن میں تھا۔ وہ دونوں گفتگو کرتے ہوئے اسی طرف چلے آئے تھے، ورنہ کھانے کی میز پر پہنچنے میں ابھی سات یا آٹھ منٹ کی دیر تھی۔

سر سجاد ایک بااصول اور وقت کا پابند آدمی تھا۔ بعض اوقات تو اس کی اصول پسندی اور وقت کی پابندی رضوانہ کو مضحکہ خیز بھی لگتی تھی۔ لیکن خاموشی کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ تھا کیونکہ سر سجاد جیسے لوگوں پر کسی قسم کی بھی مخالفت کی صورت میں بلڈ پریشر کے دورے پڑنے لگتے ہیں۔

میز پر تیسری پلیٹ دیکھ کر وہ ٹھٹک گیا۔ پھر رضوانہ کی طرف مڑ کر جواب طلب نظروں سے دیکھا۔

رضوانہ کو بھی اس غیر متوقع تبدیلی پر حیرت ہوئی تھی۔ اُس کے علم میں نہیں تھا کہ کوئی تیسرا آدمی بھی رات کے کھانے پر ہوگا۔

"اس کا کیا مطلب ہے۔" سر سجاد نے تیسری پلیٹ کی طرف انگلی اٹھا کر کہا۔

"میں کیا جانوں! میں نے تو کسی کو مدعو نہیں کیا۔"

سر سجاد نے ایک طویل سانس لی اور سر پکڑ کر ڈائننگ چیئر پر بیٹھ گیا۔

رضوانہ چند لمحے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے اُسے خاموشی سے دیکھتی رہی۔ پھر بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ "تو آخر اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ ہو سکتا ہے باورچی نے غلطی سے رکھ دی ہو۔"

"غلطی۔" سر سجاد کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔ "کیا معمولات میں بھی غلطیوں کا امکان

ہو سکتا ہے۔"

"اونہہ ڈیڈی.... ختم بھی کیجئے! میں ہٹائے دیتی ہوں۔"

"نہیں ٹھہرو.... آنے دو، اس سے میں جواب طلب کروں گا۔ ورنہ کل اس میز پر پلیٹوں کے ساتھ کسی خارش زدہ کتے کی لاش بھی نظر آسکتی ہے۔"

رضوانہ خاموش ہو گئی کیونکہ اس سلسلے میں بحث فضول تھی۔ سر سجاد ایسا ہی جھکی تھا۔

اُس نے بھی ایک کرسی کھینچی اور چپ چاپ بیٹھ گئی۔ سر سجاد بڑبڑاتا رہا۔

"اس قسم کی غلطی ذہنی طور پر غیر حاضر ہونے کی دلیل ہے۔ میں اسے قطعی پسند نہیں کرتا کہ کام کی طرف دھیان نہ رکھا جائے۔ کل ڈرائیور بھی گاڑی چلاتے چلاتے ذہنی طور پر غیر حاضر ہو سکتا ہے اور گاڑی سڑک پر جانے کی بجائے کسی مکان کے زینوں پر چڑھ سکتی ہے اور....!"

رضوانہ نے یہی بہتر سمجھا کہ خود بھی ذہنی طور پر غیر حاضر ہو جائے کیونکہ اب چرخہ تو چل ہی پڑا تھا۔ وہ بڑبڑائے جارہا تھا اور وہ اُن جنگلی خرگوشوں کے متعلق سوچ رہی تھی جن کا شکار اس نے پچھلے دن کیا تھا۔

کچھ دیر بعد باورچی کھانے کی ٹرالی دھکیلتا ہوا کمرے میں داخل ہوا اور رضوانہ اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔ وہ جانتی تھی کہ اب اُس کی شامت آجائے گی۔

جیسے ہی ٹرالی میز کے قریب رکی سر سجاد تیسری پلیٹ کی طرف انگلی اٹھا کر دہاڑا۔

"یہ کیا ہے۔"

باورچی بوکھلا کر اُسے دیکھنے لگا پھر ہکلایا۔ "مم.... میں نے.... تت.... تو.... نہیں رکھی.... حضور.... یہ.... پپ.... پلیٹ۔"

"ہائیں تو کیا آسمان سے ٹپکی ہے۔ کیا تیری موت آئی ہے۔ جھوٹا کمینہ۔"

"ٹھہرو...." دفعتاً ایک گرجدار آواز کمرے میں گونجی اور ایک آدمی سامنے والے دروازے کا پردہ ہٹا کر آگے بڑھا۔ اُس کے ہاتھ میں ریوالور بھی نظر آیا جس کا رخ انہیں تینوں کی طرف تھا۔

سر سجاد کا منہ کھلا اور پھر بند ہو گیا۔

"چلو.... چپ چاپ کھانا میز پر لگاؤ۔" آنے والے نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "اگر کسی کی زبان سے ایک لفظ بھی نکلا تو بیدریغ فائر کردوں گا۔ تیسری پلیٹ میں نے رکھی تھی۔"

باورچی سر سجاد کی طرف دیکھنے لگا۔

"چلو....! کیا تم نے سنا نہیں۔ کھانا لگاؤ۔"

رضوانہ خوفزدہ نظر آنے لگی تھی۔ لیکن سر سجاد کے چہرے پر الجھن کے آثار تھے۔ وہ بھرائی ہوئی آواز میں باورچی سے بولا۔ "کھانا لگاؤ۔"

آنے والا میلی سی خاکی پتلون اور سیاہ اونی جیکٹ میں تھا۔ لیکن شیو بڑھے ہونے کے باوجود بھی بدشکل نہیں معلوم ہوتا تھا۔ عمر پچیس اور تیس کے درمیان رہی ہوگی۔ جسم کی بناوٹ بتارہی تھی کہ وہ کسی گینڈے کی طرح مضبوط بھی ہے۔

"تم کون ہو۔" سر سجاد نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"اوہ.... کیا ایک وقت کے کھانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ میں تمہیں اپنے حسب نسب سے بھی آگاہ کردوں۔"

"میں کہتا ہوں تمہیں اس کی جرأت کیسے ہوئی۔" سر سجاد نے آنکھیں نکالیں۔

"میں بھیک مانگنے کا قائل نہیں ہوں.... باورچی اب الگ ہٹ جاؤ۔ لیکن تم اُس وقت تک کمرے سے باہر قدم نہیں نکال سکتے جب تک کہ میں چلا نہ جاؤں۔ ہاں ٹھیک ہے اسی جگہ کھڑے رہو۔"

"تم جانتے ہو کہ تم سے کتنا بڑا جرم ہو رہا ہے۔" سر سجاد نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

وہ اُس کی بات کا کوئی جواب دیئے بغیر آگے بڑھا، کرسی کھسکائی اور بیٹھ کر ریوالور سامنے رکھتا ہوا بولا۔ "بس اب کھانا شروع کرو۔ مگر شریفوں کی طرح۔ میں کھانے کی میز پر ہاتھاپائی نہیں پسند کرتا۔ کھانے کے علاوہ تم سے اور کوئی حرکت سرزد ہوئی تو.... ریوالور میں پورے راؤنڈ موجود ہیں اور یہ بے آواز بھی ہے۔"

رضوانہ اپنی کرسی سر سجاد کے قریب کھسکا لے گئی۔ لیکن اس پر اجنبی نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ وہ تو اس کی طرف دیکھ بھی نہیں رہا تھا۔

اس نے بڑے اطمینان سے اپنے آگے رکھی ہوئی پلیٹ سیدھی کی اور قاب کا ڈھکن اٹھا کر اُس میں سے شوربہ نکالنے لگا۔ رضوانہ اور سر سجاد بے حس و حرکت بیٹھے رہے۔

"ہائیں....!" اس نے اُن کی طرف دیکھ کر کہا "چلئے شروع کیجئے۔ آپ لوگ تو تکلف کررہے ہیں۔"

"بکواس بند کرو۔" سر سجاد غرایا۔

"کھانے کی میز پر مجھ سے خاموش نہیں بیٹھا جاتا۔ شروع کرو۔ ابھی میں تمہیں لطیفے بھی سناؤں گا۔"

"کیا تم پاگل ہو گئے ہو۔"

"پاگل تو تم ہو کہ اگر تمہاری میز پر کوئی تیسرا آدمی آجائے تو تم اپنے ہاتھ روک لو گے۔ چلو شروع کرو، ورنہ گولی مار دوں گا۔ میں دوستانہ فضا میں کھانا کھانے کا عادی ہوں۔ کہو تو موسمی باتیں بھی شروع کر دوں یعنی کہ آہا! آج موسم بے حد خوشگوار ہے.... کل بھی رہے گا اور شائد پرسوں بھی رہے۔"

رضوانہ نے اپنی پلیٹ سیدھی کی اور قاب کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"تم آخر چاہتے کیا ہو۔" سر سجاد کی آواز پھر بھرا گئی۔

"یہی جو کر رہا ہوں...." اجنبی نے کہا۔ اس نے کھانا شروع کر دیا تھا۔

"مگر یہ طریقہ....!"

"ڈیڈی کھانا کھایئے۔" رضوانہ بولی۔ "یہ کوئی بہروپیا ہے! کھانے کے بعد انعام بھی طلب کرے گا۔"

"کیوں؟" سر سجاد نے اجنبی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"ہاں میں تم سے تجوری کی کنجی بھی طلب کر سکتا ہوں۔ مگر مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ کل صبح ہی اس کا سوال پیدا ہو گا کہ ناشتہ کہاں سے کیا جائے۔ لیکن کل شاید میں کسی دوسرے کی میز پر نظر آؤں۔ تمہارا شوربہ مجھے قطعی پسند نہیں آیا.... بس پیٹ بھر رہا ہوں۔"

سر سجاد خاموش بیٹھا رہا۔ رضوانہ کھانے لگی تھی۔

"یار تم بے حد بور آدمی معلوم ہوتے ہو۔" اجنبی نے پھر سر سجاد کو مخاطب کیا۔ "منحوسوں کی طرح پھولے بیٹھے ہو۔ کھاؤ نا....!"

"بہت ہو چکا.... زبان بند کرو۔" سر سجاد میز پر ہاتھ مار کر دہاڑا۔

"ہاضمہ خراب ہو جاتا ہے مسٹر! کھانے کی میز پر تاؤ کھانے سے۔" کہنے کا انداز مضحکانہ تھا۔

"اگر خاموشی سے زہر مار کرتے رہو تو کیا حرج ہے۔" رضوانہ نے کہا۔ وہ اس بیباک آدمی

میں دلچسپی لے رہی تھی۔

"کھانے لذیذ ہوں تو بولنے کی مہلت نہیں ملتی! تم لوگ بڑی گھٹیا چیزیں کھاتے ہو۔" اجنبی بولا۔

رضوانہ کباب ہو کر رہ گئی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کیوں نہ شوربے کی قاب اس کے منہ پر کھینچ مارے.... لیکن ریوالور؟ جو شخص ریوالور کے زور پر اتنا کچھ کر سکتا ہے وہ اسے استعمال کرنے سے بھی نہیں چوکے گا۔

سر سجاد میز پر دونوں ہاتھ رکھے اُسے گھورے جا رہا تھا۔

"اکثر بڑے عجیب لوگوں سے ملاقات ہوتی ہے۔" اجنبی نے مرغ مسلم کی ٹانگ کاٹتے ہوئے کہا۔ "مثلاً نام تو ہے خان بہادر فلاں ابن فلاں! اور کھائیں گے مسور کی دال کدو کی بھجیا.... بینگن کا بھرتہ! پچھلی رات ایک ایسے ہی آدمی کی میز پر میری موت واقع ہوتے ہوتے رہ گئی۔ بیسن کی موٹی موٹی روٹیاں اڑا رہا تھا کم بخت۔ مجھے بھی وہی زہر مار کرنی پڑیں جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ناشتہ اور دوپہر کا کھانا گول....!"

رضوانہ غیر ارادی طور پر ہنس پڑی اور سر سجاد نے اُسے گھور کر دیکھا۔

ادھر ناخواندہ مہمان تڑ سے بولا۔ "ہاں! ہاں کھاجاؤ اسے۔ ہنسی کیوں بیچاری۔ یار بڑے میاں عقل کے ناخن لو۔ کیا آسمان ٹوٹ پڑا ہے تم پر۔ چار چپاتیوں سے زیادہ میری خوراک نہیں ہے۔ چاول کو ہاتھ بھی نہیں لگاتا۔"

"خاموشی سے کھاتے رہو۔ بدتمیزی نہیں۔" رضوانہ نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "میں سمجھ گئی تم وہی ہو سکتے ہو۔"

"کون....؟" سر سجاد نے پھر رضوانہ کو گھورا۔

"کیا آپ نے اخبارات میں اُس رہزن کے متعلق نہیں پڑھا، جو راہگیروں کو روک کر ان سے مسخرہ پن کرتا ہے۔" رضوانہ بولی۔

"اوہ....!"

اجنبی پر اس ریمارک کا کوئی واضح اثر نہیں ہوا تھا۔ وہ بدستور کھانے میں مشغول رہا۔ رضوانہ کہہ رہی تھی۔ "ابھی کچھ ہی دن پہلے شہر کی ایک گلی میں جس نے میری ایک سہیلی کو روکا تھا اور اُس کا پرس چھین کر اُس میں چوکلیٹ کے پیکٹ تلاش کئے تھے۔ پرس میں تقریباً پندرہ سو روپے

بھی تھے لیکن انہیں ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔"

سر سجاد میز پر جھک کر ناخواندہ مہمان کو ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھنے لگا۔

"داؤں.... اور کیا۔" اجنبی منہ چلاتا ہوا بولا۔ "مجھے ایسی لڑکیاں زہر ہی لگتی ہیں، جو قبل از وقت خود پر بڑھاپا طاری کرلیں۔ لعنت ہے ایسی لڑکی پر جس کے پرس میں ٹافیاں یا چوکلیٹ کے پیکٹ نہ ملیں۔"

سر سجاد کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ دکھائی دی۔ لیکن پھر یک بیک اُس نے اس انداز میں ہونٹ سکوڑ لئے جیسے غیر ارادی طور پر مسکرایا ہو۔

"تو تم وہی ہو۔" رضوانہ نے کہا۔

"بالکل.... اوہ میٹھا نہیں ہے تمہاری میز پر۔ نحوست کی نشانی۔"

رضوانہ نے پلکیں جھپکائیں اور پھر سنجیدگی سے بولی۔ "اوہ.... ہاں! ٹھہرو۔ میں تمہارے لئے تھوڑی مٹھائی مہیا کرسکوں گی۔" اُس نے اٹھنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔

اجنبی نے ریوالور پر بایاں ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "نہیں.... ٹھہرو۔ میں اتنا گدھا نہیں ہوں کہ تمہیں پولیس کو فون کرنے کا موقع دوں!"

"تمہاری مرضی۔" رضوانہ نے لاپروائی سے کہا اور پھر کھانے میں مشغول ہوگئی۔

کچھ دیر تک خاموشی رہی۔

"آخر ان حرکتوں کا مقصد....!" سر سجاد نے کچھ دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"رگوں میں خون تیزی سے گردش کرنے لگتا ہے اور ساری کاہلی دور ہوجاتی ہے۔"

"بکواس ہے۔ محض اتنی سی بات کے لئے اتنے خطرات نہیں مول لئے جاتے۔"

"پھر تمہارا کیا خیال ہے۔" اجنبی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

"اپنا خیال میں اُسی وقت ظاہر کروں گا جب تمہارے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ہوں گی۔" سر سجاد نے غرا کر کہا۔

"بھول جاؤ....!" اجنبی کے لہجے میں تمسخر تھا۔ "میں آرسین لوپن یا بہرام نہیں ہوں۔"

"ہوں....!" سر سجاد نے ہونٹ بھینچ کر سر کو جنبش دی۔

"اور نہ کسی جاسوسی فلم کا نوجوان تھانے دار ہوں، جو وردی پہن کر گاتا ہے.... آجا سجنیا

چھم چھم چلی آامبوا تلے ہو..... خیر.... تم سگریٹ کون سے پیتے ہو۔ اس سلسلے میں بھی بڑے تلخ تجربات ہوئے ہیں۔ کل ہی ایک گدھے کو بڑا قیمتی سوٹ پہنے دیکھ کر جیب میں ہاتھ ڈال دیا تھا۔ مگر نکلا کیا.... ڈھائی آنے والا پیکٹ.... جھلا کر اس زور کا تھپڑ رسید کیا تھا کہ گال پر پانچوں انگلیاں بن گئی ہوں گی۔"

رضوانہ پھر ہنس پڑی۔ لیکن اس بار سر سجاد نے اُسے گھور کر نہیں دیکھا۔ شاید اب وہ بھی دلچسپی لے رہا تھا۔ اس سر پھرے جوان میں۔

"میرا خیال ہے کہ تم پڑھے لکھے آدمی ہو۔" سر سجاد نے کہا۔

"کبھی تھا! اب نہیں ہوں۔"

"کیا بیروزگاری سے تنگ آکر....؟"

"نہیں نہیں! مجھے اتنا ڈرامیٹک بھی نہ سمجھو۔" وہ بایاں ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اگر یہی بات ہوتی تو تم سے تجوری کی کنجیاں ضرور طلب کرتا۔"

"پھر اس طرح خود کو خطرات میں ڈالنے سے کیا فائدہ۔"

"میری بے چین طبیعت اسی طرح سکون پاتی ہے۔"

"تو یہ ریوالور محض دھمکانے کے لئے ہے۔"

"میری مرضی کے خلاف کچھ کر کے دیکھو اس کا بھی تجربہ ہو جائے گا۔" اجنبی نے انتہائی تلخ لہجے میں کہا۔ "لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ایک سگریٹ کے لئے ایک کارتوس برباد کرنا پسند نہ کروں گا۔ یہ میرا اصول ہے مسٹر کہ میں ضرورت سے زیادہ نہیں وصول کرتا.... مثلاً اگر اس وقت مجھے پانچ روپیوں کی ضرورت ہے تو میں تمہارے پرس سے صرف پانچ ہی کا نوٹ نکالوں گا خواہ اس میں پانچ ہزار ہی کیوں نہ ہوں۔"

"شاید اسی لئے اب تک بچے بھی رہے ہو۔" رضوانہ بولی۔ "لوگ تمہاری ان حرکتوں کو تفریحاً برداشت کر لیتے ہیں۔"

"اور ہیرو الگ بنتا جا رہا ہوں.... کیوں؟" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

رضوانہ کچھ نہ بولی۔ سر سجاد بھی خاموش ہو گیا تھا۔ اجنبی نے کھانا ختم کر کے نیپکن سے ہاتھ صاف کئے اور اسے میز پر ڈالتا ہوا بولا۔ "سگریٹ۔"

"میں سگریٹ نہیں پیتا۔" سر سجاد نے بُرا سامنہ بنا کر کہا۔

"مہمانوں کے لئے بھی نہیں رکھتے۔"

"ظاہر ہے کہ اس کے لئے یہاں سے اٹھنا پڑے گا۔" رضوانہ بولی۔

"اوہ.... اچھا تو پھر کہیں اور سہی۔" وہ اٹھ گیا۔ ریوالور اٹھایا اور الٹے پاؤں دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ "میں پردے کے پیچھے دو تین منٹ ٹھہروں گا۔ کوئی کمرے سے باہر نہ جائے۔"

وہ دروازے سے گذر کر پردے کے پیچھے غائب ہو گیا لیکن ریوالور کی نال پردے پر اُبھری ہوئی نظر آرہی تھی۔ وہ سب ساکت و سامت پردے پر نظریں جمائے رہے۔

پھر سر سجاد چونک کر دیوار سے لگے ہوئے کلاک کی طرف دیکھنے لگا جس کی "ٹک ٹک" انہیں اپنی کھوپڑی سے خارج ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔

پھر شاید تین منٹ سے بھی زیادہ گذر گئے۔ لیکن پردے پر کسی نوکیلی چیز کا ابھار اب بھی دکھائی دے رہا تھا۔

"اوہ.... کم بخت اب کیوں رکا ہوا ہے۔" دفعتاً سر سجاد دانت پیس کر غرایا۔

"ہم کب تک اس طرح بیٹھے رہیں گے۔" رضوانہ نے بلند آواز میں کہا۔ "تم بڑے ناشکرے ہو۔"

پردے میں جنبش تک نہ ہوئی۔ اُبھار بدستور قائم رہا۔ دفعتاً سر سجاد جھلا کر اٹھا اور پردے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

اپنی دانست میں اُس نے ریوالور کی نال ہی پر ہاتھ ڈالا تھا لیکن پھر کوئی لمبی سی چیز اُس کی گرفت میں جھول کر رہ گئی۔ بائیں ہاتھ سے اُس نے پردے کو جھٹکا دیا۔

"اوہ....!" رضوانہ نے متحیرانہ لہجے میں کہا اور پھر ہنس پڑی۔ کیونکہ پردے پر نظر آنے والا ابھار ایک واکنگ اسٹک کے نچلے سرے کا مرہون منت تھا جس کا ہینڈل ایک کرسی کے ہتھے سے ٹکا دیا گیا تھا۔

"خاموش رہو۔" سر سجاد غرایا اور رضوانہ اس طرح خاموش ہو گئی جیسے سر سجاد کے اس لہجے کی بناء پر اس کے ذہن کو جھٹکا لگا ہو۔

خانساماں بڑی بدحواسی کے عالم میں وہاں سے رخصت ہوا تھا اور اب کمرے میں صرف وہی

دونوں رہ گئے تھے۔

یک بیک سر سجاد سینہ تان کر چلتا ہوا کمرے کے وسط میں آیا اور اس طرح رک کر چاروں طرف دیکھنے لگا جیسے پہلی بار اُس کمرے میں آیا ہو۔ رضوانہ کے لئے اس کا رویہ تحیر انگیز تھا اُس نے استفہامیہ انداز میں پلکیں جھپکائیں اور ٹھیک اُسی وقت سر سجاد گرجنے لگا۔ ''مجھے اس طرح خوفزدہ نہیں کیا جاسکتا۔ میں اپنے سینے میں فولاد کا دل رکھتا ہوں، چھپ کر حملہ کرو گے، کرو۔''

''ڈیڈی.....!'' رضوانہ کی آواز کانپ رہی تھی۔

''اپنے کمرے میں جاؤ.....!'' سر سجاد کا لہجہ تحکمانہ تھا۔ ''میرے بازوؤں میں اتنی قوت ہے کہ بیک وقت کئی آدمیوں کا گلا گھونٹ سکتا ہوں۔ اپنے کمرے میں جاؤ! کیا تم نے سنا نہیں۔ جاؤ.... وہ سمجھتے ہیں شاید میں تمہاری موجودگی میں آگ اور خون کا کھیل پسند نہ کروں۔ جاؤ۔''

رضوانہ میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہیں کھڑی رہ سکتی۔ اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے یک بیک سر سجاد کا دماغ ماؤف ہو گیا ہو۔

خون کے دھبے

کیپٹن حمید کی موٹر سائیکل تار جام والی سڑک پر فراٹے بھر رہی تھی۔ سڑک سنسان نہ ہوتی تب بھی شاید رفتار اتنی ہی تیز ہوتی کیونکہ تقریباً ایک ہفتے کے بعد کرنل فریدی کا سراغ ملا تھا۔

ایک ہفتے سے کرنل فریدی کے متعلق مختلف قسم کی قیاس آرائیاں کی جاتی رہی تھیں۔ کسی کا خیال تھا کہ وہ ان ڈاکوؤں کی گولیوں کا نشانہ بن گیا ہوگا، جو بینک آف کینیڈا میں ڈاکہ ڈال کر بھاگے تھے۔ کوئی کہتا اس کی لاش بینک کی سامنے والی عمارت کے ملبے سے یقینی طور پر نکالی گئی ہوگی، لیکن وہاں سے برآمد ہونے والی کئی لاشیں تو اس قدر مسخ ہو گئی تھیں کہ اُن کی شناخت ہی نہیں ہو سکی تھی۔ ہو سکتا تھا کہ انہیں میں سے کوئی لاش اس کی بھی رہی ہو۔

مگر حمید کیسے یقین کر لیتا۔ یقین نہ کرنے کا کوئی منطقی جواز نہیں تھا۔ بس چھٹی حِس کی بات تھی۔ اس کا ایمان تھا کہ ہارڈ اسٹون جیسے لوگ چوہے کی موت نہیں مرا کرتے.... ویسے محکمے کو یہ اطلاع فریدی ہی نے بہم پہنچائی تھی کہ بینک آف کینیڈا پر ڈاکہ پڑنے والا ہے۔ پھر وہ لٹیروں کی

گھات میں نہ رہا ہو گا۔ کیا اُس نے اُن پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش نہ کی ہو گی۔ لیکن اس نے اس سلسلے میں وقت کا تعین تو نہیں کیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی معلومات اس حد تک نہ رہی ہوں اور اگر تھیں بھی تو کیا بینک کو لٹنے سے بچایا جا سکتا تھا۔ کیا اس کی حفاظت کرنے والے اُس زبردست دھماکے سے بوکھلا کر بھاگ نہ کھڑے ہوتے جس نے بینک سے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک بڑی عمارت کو آن واحد میں خاک کا ڈھیر بنا دیا تھا۔

بینک کے پہرے داروں میں سے ایک بھی وہاں نہیں ٹھہرا تھا پھر صبح تک کسی کو ہوش ہی نہ آیا کہ بینک پر کیا گذری ہو گی۔ کیونکہ دھماکے نے ساری بستی کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔ ڈاکے کا علم تو اُسی وقت ہوا تھا جب بینک کے عملے نے دوسرے دن اسٹرونگ روم میں جھاڑو پھری دیکھی تھی۔

اُسی صبح حمید نے فریدی کا بستر خالی دیکھا تھا اور آج ایک ہفتے کے بعد اُسے فون پر اُس کا پیغام ملا تھا کہ وہ اسے تارجام کے ایڈلفی ہوٹل میں مل سکے گا۔ ساتھ ہی تاکید لی گئی تھی کہ وہ اس کا تذکرہ کسی سے بھی نہ کرے۔

مگر ایڈلفی ہوٹل میں گھنٹوں مکھیاں مارنے کے باوجود بھی اس سے ملاقات نہ ہو سکی اور پھر اسے سوچنا پڑا کہ کہیں کسی نے دھوکا تو نہیں دیا تھا۔ لیکن آواز سو فیصدی فریدی ہی کی تھی۔ پھر اُسے کیا سمجھا جائے۔ وہ سوچتا رہا.... میز پر وہ تنہا تھا اور ایڈلفی کا ڈائننگ ہال کچھ اتنا زیادہ آباد بھی نہیں تھا۔

اس نے ملازمین سے پوچھ گچھ کرنا مناسب نہ سمجھا اُسے توقع تھی کہ فریدی اگر یہاں ہو گا تو میک اپ ہی میں ہو گا۔ ورنہ پھر اس طرح غائب ہو جانے کی کیا ضرورت تھی۔

لیکن پھر جیسے ہی اُس نے وہاں سے اٹھنے کا ارادہ کیا دفعتاً اس کے ذہن کو جھٹکا سا لگا کیونکہ فریدی ایک دروازے میں کھڑا مسکرا رہا تھا اور حمید کا یہ خیال غلط نکلا کہ وہ میک اپ میں ہو گا۔ پھر آخر اس رازداری کی کیا ضرورت تھی۔

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا قریب آیا اور ایک کرسی کھینچ کر بیٹھتا ہوا بولا۔ ”تمہیں شاید کچھ دیر انتظار کرنا پڑا ہے۔“

”اس حد تک کہ شاید میں اسی کرسی پر پیدا ہوا تھا۔“ حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"اُوہ.... موڈ خراب ہے شاید۔" فریدی مسکرایا۔ وہ خود بڑے اچھے موڈ میں معلوم ہو رہا تھا۔

"میں کہتا ہوں آخر اس طرح بور کرنے سے کیا فائدہ۔"

"بھئی.... بس اچانک اٹھا تھا اور شہر چھوڑ دیا تھا۔"

"وجہ....!"

"میں نہیں جانتا تھا کہ کینیڈا بینک کا قبضہ میرے ہی سپرد کیا جائے گا۔"

"کیا مطلب....!" حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"یہ سب بکواس ہے کہ میں نے اس کے متعلق کسی قسم کی اطلاع محکمے کو دی تھی۔ میں نہیں جانتا کہ اس افواہ کا ذمہ دار کون ہے۔"

"تو پھر اس طرح غائب ہو جانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"بتایا تو کہ میں اس قضیئے میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔"

"پہلی بار آپ کی زبان سے اس قسم کی گفتگو سن رہا ہوں۔ آپ تو خواہ مخواہ دخل اندازی کر بیٹھنے والے لوگوں میں سے ہیں۔ بسا اوقات آفیسروں سے بھی اسی بات پر آپ کی ان بن ہو گئی ہے کہ فلاں کیس آپ کے سپرد کیوں نہیں کیا گیا۔"

"یہ تو کیس کی نوعیت ہی پر منحصر ہے۔"

"اُوہ تو یہ کیس اس قابل ہی نہیں تھا۔"

"بھئی! میرے پاس اُس سے بھی زیادہ دلچسپ کیس ہے جسے میں چھوڑنا نہیں چاہتا اور جو بینک کے ڈاکے سے زیادہ اہم ہے۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

"کون سا کیس....!"

"اُس آدمی کا جو لڑکیوں کے پرس میں ٹافیاں تلاش کرتا ہے۔"

"لاحول ولا قوۃ...." حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "کیا آپ سچ کہہ رہے ہیں۔"

"بالکل....!"

"مزید لاحول ولا قوۃ...." حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "بھلا اُس میں کیا رکھا ہے۔ میری دانست میں تو وہ کوئی ایسا آدمی ہے جو لڑکیوں میں مقبول ہونا چاہتا ہے۔"

"لیکن میں ایسے آدمیوں کو پسند نہیں کرتا، جو ریوالور دکھا کر صرف ٹافیاں وصول کرنے کی

کوشش کریں۔"

"پتہ ہے آپ کو کہ کتنی جانیں ضائع ہوئی ہیں بینک والے کیس میں۔ مگر ٹھہریئے! کیا آپ کو اس کی اطلاع رات ہی کو مل گئی تھی۔"

"نہ ملی ہوتی تو تم صبح کو میرا بستر خالی کیسے دیکھتے۔"

"اور اُسی وقت آپ کو یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ بینک لٹ چکا ہے۔"

"اندازہ تھا....!"

"آپ خود ہی اپنے بیان کی تردید کر رہے ہیں۔ ایک طرف یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ آپ نے اس قسم کی کوئی اطلاع محکمے کو نہیں دی تھی اور دوسری طرف عمارت کے حادثے کے متعلق سن کر آپ نے اندازہ بھی کر لیا کہ بینک لٹ گیا ہوگا.... کیسے ممکن ہے۔"

"کہاں کی باتیں لے بیٹھے۔ فرض کرو مجھے اس ڈاکے کے متعلق علم بھی تھا تو میں یہ کیسے جان لیتا کہ وہ اس کے لئے کوئی عمارت ہی اڑا دیں گے۔"

"تو آپ کو ڈاکے کی اسکیم کا علم تھا؟" حمید نے پلکیں جھپکائیں۔

"سوال یہ ہے کہ یہ بات پھوٹی کیسے؟"

"کون سی بات۔"

"یہی کہ میں نے محکمے کو اس قسم کی کوئی اطلاع دی تھی۔"

"کیا آپ کی رپورٹ تحریری تھی۔"

"وہ رپورٹ کونفیڈنشل فائیل کے لئے تھی اور ایس۔ پی کے علاوہ کسی اور کے علم میں نہ آنی چاہئے تھی۔"

"اوہ....اب میں سمجھا۔ ایس پی صاحب ان دنوں اسی لئے پریشان نظر آتے رہے ہیں۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ اشارے سے ایک ویٹر کو بلا رہا تھا۔ قریب آنے پر اُس نے اُس سے کافی کے لئے کہا اور پھر حمید کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "اس مسخرے رہزن کے متعلق ایک دلچسپ اطلاع ملی ہے۔"

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ بینک کی ڈکیتی سے کسی مسخرے رہزن کا کیا تعلق ہو سکتا ہے۔"

"کیا تم کوئی تعلق پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"اگر کوئی تعلق نہیں ہے تو پھر مجھے پاگل ہو جانا چاہئے۔"

فریدی نے سگار کو ایش ٹرے میں رکھ کر ایک طویل سانس لی اور حمید کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

"سر سجاد سے واقف ہو۔" اُس نے پوچھا۔

"کیوں....؟" حمید یک بیک چونک پڑا۔

"تم اس طرح چونکے کیوں؟"

"ہم بینک کی ڈکیتی کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ آپ اس وقت جو کچھ بھی کہیں گے وہ اس سے غیر متعلق نہ ہو گا۔"

"اُس مسخرے کا تذکرہ بھی تو تھا۔ پچھلی رات اس نے سر سجاد کی میز پر کھانا کھایا تھا۔"

"ہاں میں اس کے متعلق سن چکا ہوں۔ غالباً کسی نے رپورٹ درج کرائی ہے۔"

"اس کی لڑکی رضوانہ نے....!" فریدی نے کہا کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا لیکن ویٹر کو آتے دیکھ کر خاموش ہو گیا۔

کافی کی ٹرے میز پر رکھ دی گئی اور ویٹر چلا گیا۔

"وہ انہیں ریوالور دکھا کر کھانے کی میز پر جم گیا تھا۔" فریدی نے کہا۔ "لڑکی کا بیان ہے کہ اس نے اس سے زیادہ بے باک آدمی آج تک نہیں دیکھا۔"

"صرف کھانا ہی کھایا تھا اس نے۔"

"صرف.... کسی چیز کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ ویسے اُس نے سر سجاد سے کہا تھا کہ وہ اُس سے تجوری کی کنجی بھی طلب کر سکتا ہے۔"

"پتہ نہیں وہ کیا چاہتا ہے۔" حمید بولا۔ "میرا خیال ہے کہ اب تک وہ بہتیری حرکتیں کر چکا ہے۔"

"لیکن اس کا ردعمل سر سجاد پر کیا ہو گا؟" فریدی نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"ظاہر ہے کہ اُس نے یہی سوچا ہو گا کہ ایسے بیباک آدمی کا کنوارہ رہنا ٹھیک نہیں ہے۔"

"شش.... اُس کا رویہ اُس کے مقابلے میں زیادہ حیرت انگیز ثابت ہوا تھا۔"

"یعنی اُس نے اُس کی طرف سے خود ہی اپنے منہ پر تھپڑ مارنے شروع کر دیئے تھے۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔

"اس نے اس کے چلے جانے کے بعد کافی شور و غل مچایا تھا۔ اس انداز میں جیسے وہ جو کچھ کہہ رہا ہے اسے آس پاس ہی چھپے ہوئے کسی آدمی کو سنانا چاہتا ہو۔"

"مجھے تو اس میں ذرہ برابر بھی تحیر نہیں نظر آتا.... آخر کون سی چیز حیرت انگیز معلوم ہوئی ہے آپ کو۔"

"تم نے ابھی وہ جملے کہاں سنے ہیں، جو اس کی زبان سے نکلے تھے۔ اس نے کہا تھا مجھے اس طرح خوفزدہ نہیں کیا جاسکتا میں اپنے سینے میں فولاد کا دل رکھتا ہوں۔ چھپ کر حملہ کرنا ہے تو یہ بھی کر کے دیکھ لو۔ میرے بازوؤں میں اتنی قوت ہے کہ بیک وقت کئی آدمیوں کا گلا گھونٹ سکوں۔ پھر اس نے اپنی بیٹی سے کہا تھا کہ وہ اپنے کمرے میں چلی جائے اور بعض نامعلوم آدمیوں کے متعلق خیال ظاہر کیا تھا کہ وہ سمجھتے ہیں کہ سر سجاد اپنی بیٹی کی موجودگی میں آگ اور خون کا کھیل کھیلنا پسند نہ کرے گا۔"

"اچھا تو پھر....!"

"جو آدمی اتنا دلیر ہو کہ چھپ کر حملہ کرنے کی دعوت بھی دے سکے وہ اس اجنبی کے ساتھ میز پر سکون کے ساتھ کیسے بیٹھا رہا ہو گا۔"

"ہاں یہ غور طلب ہے۔"

"لڑکی کو سختی سے اس بات پر مجبور کیا تھا کہ وہ اپنے کمرے میں چلی جائے اور دروازہ اندر سے مقفل کئے بغیر نہ سوئے۔ پھر تینوں ملازمین کو بھی یہی ہدایت دی گئی تھی۔ ملازمین بھی خوفزدہ ہیں اور لڑکی بھی۔"

حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "شاید اسی لئے پچھلی رات مجھے بھی نیند نہیں آئی تھی۔ اب تو یہ عالم ہے میرا کہ جیسے ہی چھینک آئی اندازہ کر لیتا ہوں کہ پڑوس کی کوئی لڑکی یقینی طور پر زکام میں مبتلا ہے۔"

"کافی اچھی ہے۔" فریدی کافی پاٹ کا ڈھکن اٹھاتا ہوا بولا۔ شاید وہ نہیں چاہتا تھا کہ حمید کی لایعنی بکواس کا سلسلہ آگے بڑھے۔ اس نے دونوں پیالیوں میں کافی انڈیلی اور دودھ ڈالتا ہوا بولا۔

"وہ سب ڈھائی بجے تک اپنے اپنے کمروں میں مقفل رہے۔ ہو سکتا ہے کہ ملازمین کو اس دوران میں نیند آگئی ہو لیکن لڑکی کے بیان کے مطابق وہ خود جاگتی رہی تھی لیکن اس نے ایک بار بھی باہر

نکلنے کی کوشش نہیں کی۔ ڈھائی بجے اس نے شور کی آوازیں سنیں، جو عمارت ہی کے کسی حصے میں آئی تھیں۔ پھر یہ شور بڑھتا ہی گیا۔ وہ چیخ چیخ کر ملازموں کو آوازیں دیتی رہی لیکن باہر نکلنے کی ہمت نہ کر سکی۔"

فریدی نے خاموش ہو کر کافی کا گھونٹ لیا۔ حمید کچھ نہ بولا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی نے دوسرا گھونٹ لے کر کہا۔ "ہنگامہ ختم ہو جانے کے بعد بھی وہ کچھ دیر تک کمرے ہی میں رہی تھی۔ اس کے بعد نوکروں کی آوازیں سن کر دروازہ کھولا تھا۔ نوکروں نے اسے بتایا کہ سر سجاد خوابگاہ میں موجود نہیں ہے اور خواب گاہ کی حالت تو اس نے اپنی آنکھوں ہی سے دیکھی تھی۔ سارا سامان ٹوٹ پھوٹ گیا تھا۔ وہاں ایسی ابتری نظر آئی تھی جیسے کچھ دیر تک جم کر لڑائی ہوئی ہو۔ فرش پر جا بجا خون کی بوندیں بھی تھیں۔ عمارت کا گوشہ گوشہ چھان مارا گیا لیکن سر سجاد کا سراغ کہیں نہ ملا۔ یہ صرف دوسروں کی زبانی مجھ تک پہنچی ہوئی کہانی ہے۔ ابھی میں نے جائے واردات کا معائنہ نہیں کیا۔ بس تمہارا انتظار تھا۔"

"یہاں تار جام میں۔" حمید نے حیرت سے کہا۔ "آخر آپ خود ہی شہر کیوں نہیں چلے آئے تھے۔"

"شہر آ کر کیا کرتا۔ اوہ تم غلط سمجھے ہو۔ وہ اپنی شہری قیام گاہ میں نہیں تھا۔ یہاں شرفاد کے جنگلوں کے قریب بھی اس کی ایک کوٹھی ہے۔"

"وہ تو بڑی سنسان جگہ ہے۔" حمید نے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔ کچھ دیر تک خاموش رہا پھر یک بیک چونک کر بولا۔ "اوہ.... ٹھہریئے.... آپ کے پاس تو اس سے پہلے بھی ایک کیس تھا۔ وہ لاش جو کیفے وکٹوریہ کے باتھ روم میں پائی گئی تھی۔"

"ٹھیک ہے اس وقت میرے پاس دو کیس ہیں۔ ایک اس نامعلوم آدمی کے قتل کا اور دوسرا وہ جس کی وجہ سے میں سر سجاد کے معاملے میں بھی دلچسپی لینے پر مجبور ہو گیا ہوں۔"

"یعنی وہی مسخرا.... کس چکر میں پڑے ہیں آپ۔ اگر مجھ سے کبھی مڈبھیڑ ہو گئی تو کان پکڑ کر کھینچتا ہوا آپ کے پاس لاؤں گا۔"

"میری دانست میں یہ اتنا آسان کام نہیں ہے۔"

حمید نے اس سلسلے میں مزید کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا۔

انہوں نے کافی ختم کی اور فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "جانتے ہو.... وہ لاش

کس کی تھی۔"

"میری....!" حمید جھنجھلا گیا۔

"اس آدمی کی جس سے مجھے بینک میں متوقع ڈاکے کی اطلاع ملی تھی۔"

"اوہ.... تو یہ کہیے۔" حمید نے طویل سانس لی۔

"مزید اطلاعات بہم پہنچانے سے پہلے ہی وہ قتل کر دیا گیا تھا۔"

"اگر آپ اسی طرح اس مسخرے کا مسئلہ بھی صاف کر دیں تو بہتر ہے، ورنہ میں خواہ مخواہ الجھنوں میں مبتلا رہوں گا۔ یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ آپ کوئی اتنا اہم کیس چھوڑ کر اُس آدمی کے پیچھے پڑ جائیں گے جو لڑکیوں کو چھیڑتا پھرتا ہے۔"

"پچھلی رات اُس نے ایک لڑکی کے باپ کو بھی چھیڑا تھا۔" فریدی اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔ پھر بولا۔ "بس اب اٹھ جاؤ۔ تار جام کا اسٹیشن انچارج وہاں میرا منتظر ہو گا۔"

کوٹھی تک پہنچنے کے لئے وہی موٹر سائیکل استعمال کی گئی جس پر حمید یہاں تک آیا تھا۔

"یہ تو ویرانہ ہے۔" حمید کوٹھی کے قریب پہنچ کر بڑبڑایا۔

عمارت کافی بڑی تھی۔ اُس کے تین اطراف میں باغات کے سلسلے تھے اور پشت پر شرفاد کا جنگل میلوں تک پھیلا ہوا تھا۔ کسی زمانے میں یہاں شرف آباد نام کی چھوٹی سی بستی تھی لہٰذا ممکن ہے پہلے کبھی یہ شرف آباد کے جنگل کہلاتے رہے ہوں۔"

باغ سے ایک کشادہ سی روش عمارت تک جاتی تھی۔

عمارت کے قریب پولیس کی کئی گاڑیاں کھڑی دکھائی دیں۔ تار جام اسٹیشن کے انچارج نے ان کا استقبال کیا۔

"کیا سرسجاد مل گیا۔" فریدی نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ اس کی لاش گھسیٹ کر یہاں سے لے جائی گئی ہے۔"

"خدا کی پناہ....! آپ نے اتنا بڑا خیال اتنی آسانی سے ظاہر کر دیا۔" فریدی مسکرایا۔

"خود دیکھ لیجئے چل کر۔"

وہ عمارت کے اندر آئے اور انچارج انہیں سب سے پہلے سرسجاد کی خواب گاہ ہی میں لایا۔ میز اور کرسیاں شکستہ حالت میں فرش پر ڈھیر تھیں۔ کئی خوبصورت اور بڑے گلدان چکنا چور

ہوگئے تھے۔ بستر مسہری سے آدھا لٹک آیا تھا اور مسہری بھی ترچھی پڑی تھی۔ قالین پر کئی جگہ خون کے دھبے نظر آئے۔ فریدی بڑے انہاک سے کمرے کا جائزہ لے رہا تھا۔

"کسی چیز کو ہاتھ تو نہیں لگایا گیا۔" اس نے پوچھا۔

"جی نہیں۔" انچارج نے جواب دیا۔ "مطلب یہ کہ جب سے میں یہاں آیا ہوں کسی چیز کو نہیں چھوا گیا۔"

"ٹھیک ہے۔" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "مگر آپ کس بنا پر کہتے ہیں کہ اس کی لاش یہاں سے گھسیٹ کر لے جائی گئی ہو گی۔"

"ادھر تشریف لائیے۔" وہ ایک آدھ کھلے دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

اُس نے اُس کے دونوں پاٹ پوری طرح کھول دیئے۔ دوسری طرف بھی ایک کمرہ تھا لیکن اُس کے فرش پر میٹنگ نہیں تھی۔ ننگا فرش تھا اور شاید پچھلے دن اُسے صاف بھی نہیں کیا گیا تھا۔ ورنہ گرد کی ہلکی سی تہہ پر وہ نشان ہر گز نہ بن سکتا جس کی بناء پر انچارج کو لاش کے گھسیٹے جانے کا شبہ ہوا تھا۔

تقریباً ڈیڑھ یا دو فٹ چوڑا نشان تھا، جو اُس دروازے سے دوسرے دروازے تک پھیلا ہوا تھا اور جس کے درمیان کہیں کہیں خون کی لکیریں بھی نظر آ رہی تھیں۔

"آپ کا خیال درست ہی معلوم ہوتا ہے۔" فریدی نے کہا اور نشان کے ساتھ آگے بڑھتا چلا گیا۔

کہیں کہیں صرف خون کی لکیریں ہی نظر آئیں۔ متعدد کمروں سے گذرتے ہوئے وہ عمارت کے عقبی دروازے سے باہر آئے، جو جنگل کی طرف کھلتا تھا۔ یہاں بھی کچھ دور تک خون کے نشانات ملے لیکن پھر اُس کچے راستے کے قریب اُن کا سلسلہ ختم ہو گیا، جو جنگل کے متوازی مشرق اور مغرب کی طرف پھیلا ہوا تھا۔

"یہاں سے شائد اُسے کسی گاڑی پر لے جایا گیا ہے۔" فریدی نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"مگر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ وہ لاش ہی تھی۔" حمید نے پوچھا۔

"قطعی نہیں کہا جا سکتا۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔

”کیوں....!“ انچارج کا سوال قدرتی امر تھا کیوں وہ تو شروع سے اب تک اسی کے امکان پر غور کر تا رہا تھا۔

”یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ لاش ہی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ صرف زخمی ہو گیا ہو۔ آخر لاش کو گھسیٹتے پھرنے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔ اگر قتل کرنا مقصد تھا تو لاش کمرے ہی میں چھوڑی جاسکتی تھی۔ اگر یہ کہا جائے کہ پولیس کو غلط راستے پر ڈالنے کے لئے ایسا کیا گیا ہو گا تو اس کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کیونکہ سر سجاد کا ان حالات میں خواب گاہ سے غائب ہو جانا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ اسے کسی قسم کا نقصان پہنچایا گیا ہے یہ نہیں سوچا جاسکتا کہ یہاں کرنل فریدی کو قتل کیا گیا ہو گا۔ البتہ سر سجاد ضرور یہاں سے کسی لاش کو گھسیٹ کر لے جاسکتا ہے تاکہ خودکسی کے قتل کے الزام سے بچ سکے۔“

”اوہ....!“ انچارج آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا۔

متحرک فرش

فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرا رہا تھا۔

پھر اُس نے کہا۔ ”لیکن ابھی اس خیال کو قیاسات ہی کی حدود میں رہنا چاہئے۔ دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو سر سجاد کو زخمی حالت میں یہاں سے گھسیٹ کر لے جایا گیا یا پھر سر سجاد ہی نے کسی کی لاش ٹھکانے لگائی ہے۔“

”مگر دوسری صورت میں تو اسے واپس آجانا چاہئے تھا۔“

”ہم اُسے احمق کہیں گے اگر وہ خود ہی واپس آجائے۔ البتہ اُسے واپس لایا جاسکتا ہے۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”وہ بھی خود کو زخمی کرے گا اور کسی شاہراہ پر بیہوش پڑا پایا جائے گا۔ تاکہ اپنے گھسیٹے جانے کی کہانی سنا سکے جسے قتل کر کے لاش غائب کی ہو گی اُسی کا نام بہ آسانی لے سکے گا۔ اب پولیس جھک مارا کرے۔“

”لیکن ٹھہریئے! ملازموں کا بیان ہے کہ وہ کئی آدمی تھے۔“

"کیا کسی نے انہیں دیکھا ہے۔"

"نہیں.... آوازوں سے اتنا اندازہ تو لگایا ہی جاسکتا ہے کہ وہ کئی ہوں گے۔"

"آپ مجھے کسی کمرے میں تنہا بند کر دیجئے۔ لیکن میں آپ کو ایسی آوازیں سنادوں گا جیسے بیک وقت پندرہ آدمی مجھ پر ٹوٹ پڑے ہوں۔"

"پھر ہمیں کیا کرنا چاہئے۔"

"کسی نتیجے پر پہنچنے میں جلدی نہ کی جائے۔" فریدی نے سگار کا ڈبہ جیب سے نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"شکریہ جناب.... !میں نہیں پیتا۔"

فریدی نے ایک سگار منتخب کیا اور اس کا سرا توڑنے لگا۔ پھر بولا۔ "کیا اس ہنگامے کے دوران کوئی اپنے کمرے سے باہر نکلا ہی نہیں تھا۔"

"جی نہیں! ہنگامہ فرو ہونے کے بعد بھی کمروں ہی میں رہے تھے۔ پھر تقریباً آدھے گھنٹے بعد باورچی نے باہر نکلنے کی ہمت کی تھی اور اسی نے بقیہ دو ملازموں کو بھی اُن کے کمروں سے نکالا تھا۔"

"ہوں! میں ذرا سب کے بیانات لینا چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"بہتر ہے۔" انچارج نے کہا۔

لیکن ملازم اس سے زیادہ کچھ نہ بتا سکے جتنا فریدی انچارج سے سن چکا تھا باورچی نے اس ناخواندہ مہمان کو بھی دیکھا تھا اس لئے وہ صرف اسی کی داستان کا اضافہ کر سکا۔

یہ بھی کوئی نہ بتا سکا کہ سر سجاد سے کسی کی دشمنی تھی۔

آخر میں اس کی لڑکی رضوانہ کے پاس آئے اس کی حالت ابتر تھی۔ روتے روتے پلکیں متورم ہو گئی تھیں، اس نے بھی یہی بتایا تھا کہ وہ سر سجاد کے کسی دشمن کے وجود سے لاعلم تھی اور نہ اُس نے پہلے کبھی اس کو ایسے موڈ میں دیکھا ہی تھا جیسا ناخواندہ مہمان کے رخصت ہو جانے کے بعد س پر طاری ہوا تھا۔

"کیا آپ کسی طرح یہ باور کر سکتی ہیں کہ وہ اس دلیر اجنبی کو پہلے سے جانتے رہے ہوں۔" ریدی نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ ایسا نہیں تھا۔ اُن سے کوئی ایسا فعل سرزد نہیں ہوا تھا جس کی بناء پر یہ کہا

جاسکے۔"

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ لوگوں کو اس ویرانے کی رہائش کیوں پسند ہے۔"

"ہم یہاں مستقل طور پر نہیں رہتے۔ کبھی کبھی آتے ہیں۔ ڈیڈی اکثر کام کی زیادتی کی وجہ سے ذہنی تھکن میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ہمیں کچھ دنوں کے لئے یہاں آنا پڑتا ہے تاکہ وہ آرام کر سکیں۔ اوہ میرے خدا کیا میں انہیں پھر دیکھ سکوں گی۔" اس کی آواز بھرا گئی اور سرخ سرخ آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں اس وقت آپ کے ذہن پر ناگوار قسم کے سوال و جواب کا بار ڈال رہا ہوں۔ مگر کیا کروں اس کے بغیر کام بھی تو نہیں چلے گا۔"

"آپ جو کچھ بھی پوچھنا چاہتے ہوں شوق سے پوچھئے۔"

"میرا خیال ہے کسی بزنس میں کوئی اُن کا شریک بھی ہے۔"

"جی ہاں! میجر سعید صاحب ہیں۔"

"مجھے شاید یاد پڑتا ہے.... خیر تو.... اس دوران میں دونوں کے درمیان کسی قسم کا جھگڑا تو نہیں ہوا تھا۔"

"میری دانست میں تو نہیں۔"

"کیا پچھلی رات وہ خوفزدہ بھی تھے۔"

"ہرگز نہیں! اتنے غصے میں پہلی بار میں نے انہیں دیکھا تھا۔"

"اور انہوں نے، جو الفاظ دہرائے تھے ان سے یہی ثابت ہوتا ہے جیسے وہ کسی بڑے اور خطرناک دشمن کے لئے کہے گئے ہوں۔ ایسا دشمن جو عرصہ سے ان کی گھات میں رہا ہو۔"

"تو اب کیا ڈیڈی واپس نہیں آئیں گے۔" وہ پھر رو پڑی۔

"نا امید نہ ہونا چاہئے۔ پولیس ہر ممکن کوشش کرے گی۔"

وہ کچھ دیر تک سسکیاں لیتی رہی پھر بولی۔ "اب ہمیں کیا کرنا چاہئے کیا شہر واپس جائیں۔"

"میں فی الحال اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔ آپ کی پوری طرح حفاظت کی جائے گی۔ میر اسسٹنٹ اور دو کانسٹیبل یہیں ٹھہریں گے۔"

حمید آہستہ آہستہ اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔

"ویسے آپ جانا بھی نہ چاہتی ہوں گی۔" فریدی نے پوچھا۔

"ڈیڈی کے بغیر..... آپ خود سوچئے! میں کیا کروں سمجھ میں نہیں آتا۔ باورچی کہہ رہا تھا کہ کسی کو گھسیٹا گیا ہے اور خون کے دھبے.....!"

"اُوہ آپ اس کی فکر نہ کیجئے! ضروری نہیں ہے کہ وہ سرسجاد ہی رہے ہوں۔"

"پھ..... پھر کون؟" لڑکی چونک پڑی۔

"وہ سرسجاد کا کوئی دشمن بھی ہو سکتا ہے جسے خود ہی گھسیٹ کر باہر لے گئے ہوں۔"

"لیکن انہیں واپس تو آنا چاہئے تھا۔"

"ممکن ہے کسی احتیاطی تدبیر کے تحت انہوں نے فوراً ہی واپس آنا مناسب نہ سمجھا ہو۔"

"میں نہیں سمجھ سکتی۔ میری عقل کام نہیں کرتی۔ ذہن جواب دے رہا ہے۔"

"صبر سے کام لیجئے۔" فریدی نے کہا اور پھر انچارج سے پوچھا۔ "گھسیٹے جانے کے نشان کے متعلق آپ کو کس نے بتایا تھا۔"

"کسی نے بھی نہیں وہ میری ہی دریافت ہے۔"

"آپ یہاں کس وقت پہنچے تھے۔"

"صبح آٹھ بجے۔"

"آپ کو اطلاع کس وقت ہوئی تھی۔"

"سات بجے۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔" فریدی لڑکی کی طرف مڑا۔ "میرا خیال ہے کہ یہاں فون موجود ہے۔"

"جی ہاں۔" رضوانہ نے جواب دیا۔ "میں نے رات ہی رنگ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن فون خراب تھا۔ اس وقت تک ٹھیک نہیں ہوا۔"

"میں یہ بتانا بھول گیا کہ میں نے فون کے تار کٹے ہوئے پائے تھے۔" انچارج بولا۔

"اُوہ.....!" فریدی کچھ سوچنے لگا۔ پھر لڑکی سے پوچھا۔ "باورچی نے آپ کو اس نشان کے متعلق کس وقت بتایا تھا۔"

"زیادہ دیر نہیں گذری۔" لڑکی نے جواب دیا۔ "شائد ایک گھنٹہ پہلے کی بات ہے۔"

"میں اُس سے پھر کچھ سوالات کرنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے انچارج کی طرف مڑ کر کہا۔

"ابھی بلواتا ہوں۔" انچارج کہتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

اور پھر باورچی کے آجانے تک خاموشی ہی رہی۔ فریدی کسی گہری سوچ میں تھا اور حمید کی تمام تر توجہ رضوانہ کی طرف تھی، جو کبھی کبھی کنکھیوں سے فریدی کی جانب دیکھنے لگتی تھی۔

"کیا رات تم میں سے کوئی عمارت سے باہر بھی نکلا تھا۔" فریدی نے باورچی سے پوچھا۔

"نن.... نہیں.... حضور! ہمت ہی نہیں پڑی تھی۔"

"تم اپنے کمروں میں کس وقت واپس گئے تھے۔"

"ہم اپنے کمروں میں نہیں گئے تھے جناب۔ یہاں بی بی کے کمرے میں تھے۔"

"اور صبح تک یہیں رہے۔"

"جی ہاں.... جی ہاں.... جب بی بی جی فون کرنے گئی تھیں تو ہم بھی ساتھ گئے تھے۔"

"اُس نشان کا علم تمہیں کس وقت ہوا تھا جس کا تذکرہ تم نے ان سے کیا ہے۔"

"اسپٹر صاحب کے آجانے کے بعد ہم میں سے کسی نے بھی اسے نہیں دیکھا تھا۔ اسپٹر صاحب کو اُس کی بات کرتے سنا تو جا کر دیکھا۔"

"بس جاؤ۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔

وہ پھر کچھ سوچنے لگا تھا۔ کچھ دیر بعد اُس نے کلائی کی گھڑی پر نظر ڈالی اور بڑبڑایا۔ "ابھی تک فنگر پرنٹ سیکشن کے لوگ نہیں پہنچے۔"

پھر دن کا بقیہ حصہ ضروری کاروائیوں میں ختم ہو گیا۔ حمید کچھ اکتاہٹ سی محسوس کرنے لگا تھا اور یہ سوچ سوچ کر اُسے الجھن ہو رہی تھی کہ ایک غمزدہ لڑکی کے ساتھ رات یہیں گذارنی پڑے گی، اگر معاملہ صرف لڑکی کا ہوتا تو خیر کوئی بات نہیں تھی مگر وہاں تو غمزدگی کا دم چھلا بھی لگا ہوا تھا۔ یعنی وہ اخلاقاً اس کے سامنے مسکرا بھی نہیں سکتا تھا۔

شام کو فریدی بھی واپسی کے لئے تیار نظر آیا۔

"ارے جناب سنئے تو سہی۔" حمید ہاتھ اٹھا کر اُسے روکتا ہوا بولا۔ "کیا اسی سوٹ میں رات بسر کرنی پڑے گی۔"

"ہمیں آرام نہیں کام کرنا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"مغموم لڑکیاں مجھے ہمیشہ کام چور بنا دیتی ہیں۔"

"بکواس مت کرو۔ یہ معاملہ بے حد دلچسپ ہوتا جارہا ہے اس لئے میں کسی بھی احتیاطی پہلو کو نظرانداز نہیں کرسکتا۔ مجھے شبہ ہے کہ اس عمارت کے نیچے کوئی تہہ خانہ بھی ہے حالانکہ لڑکی اور ملازمین نے اس سے لاعلمی ہی ظاہر کی ہے۔"

"ارے تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ میں آپ کی کوٹھی میں اس سے بھی زیادہ شاندار تہہ خانے بنوا سکتا ہوں لیکن خدارا مجھے یہاں ٹھہرنے پر مجبور نہ کیجئے۔ اُس لڑکی کی شکل دیکھ کر مجھے بھی بسورنا پڑتا ہے۔"

"میں تمہاری آٹو سائیکل لے جارہا ہوں۔ ٹھیک بارہ بجے صدر دروازے کے قریب موجود رہنا میں آؤں گا۔"

"مگر تہہ خانے کی فکر کیوں ہے آپ کو۔ لاش باہر لے جائی گئی تھی۔"

"میں اُس نشان سے مطمئن نہیں ہوں۔"

"کیوں.....؟"

"وہ ایسی جگہوں سے گذرا ہے جہاں صاف نظر آسکے۔ اگر تم کوئی وزنی چیز گھسیٹ رہے ہو تو تمہیں منزل تک پہنچنے کے لئے کم سے کم فاصلے والی راہ کی فکر ہوگی۔ لیکن اس معاملے میں ایسا نہیں ہوا۔ گھسیٹنے والا خواہ مخواہ کمروں اور راہداروں میں چکراتا پھرا ہے۔ میں نے کم سے کم فاصلے والی راہ کا بھی جائزہ لیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ وہاں وہ نشان واضح نہ ہو پاتا۔"

"اگر ایسا ہی ہے تو اس کا مقصد کیا ہو سکتا ہے۔"

"پھر دیکھیں گے! ذرا تم لڑکی کو بہلانے کی کوشش کرو۔"

"بن ماں کے بچوں کو دودھ نہ پلاتا پھروں۔" حمید جھلا گیا۔

فریدی ہنستا ہوا رخصت ہو گیا۔

حمید کی یہ سب سے بڑی کمزوری تھی کہ وہ غم زدہ لوگوں سے ڈھنگ کی گفتگو نہیں کرسکتا تھا۔ کہنا کچھ چاہتا اور منہ سے کچھ نکلتا۔ خصوصاً تعزیت کے مواقع پر ہمیشہ اس نے خود کو پرلے درجے کا ڈفر محسوس کیا تھا۔

کچھ دیر بعد اس نے سوچا ہو سکتا ہے کہ اس میں بھی کوئی مصلحت ہی ہو ورنہ بھلا ہارڈ سٹون جیسے لوگ کسی لڑکی کو بہلانے کا مشورہ کیوں دینے لگے اور پھر اسے یعنی کیپٹن حمید کو! تو پھر اس

لڑکی کے دل بہلانے کو بھی سرکاری فرائض ہی میں داخل سمجھنا چاہئے۔

بہر حال اُسے اس کے کمرے میں آنا ہی پڑا.... وہ خاموش بیٹھی تھی۔ پلکوں کا ورم کسی قدر کم ہو گیا تھا۔ لیکن آنکھیں اب بھی خون ہو رہی تھیں۔

"تشریف رکھئے جناب۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"جج.... جی ہاں۔" حمید بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا اور ایک کرسی میں ڈھیر ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔

لڑکی اسے استفہامیہ نظروں سے دیکھتی رہی۔

"وہ.... دد.... دیکھئے مم.... میرا خیال ہے کہ آپ کو مغموم نہ ہونا چاہئے۔" حمید ہکلایا۔

وہ چند لمحے اُسے دیکھتی رہی پھر بولی۔ "مجھے رسمی گفتگو سے نفرت ہے۔ اتنا بڑا حادثہ ہو گیا ہے اور آپ کہتے ہیں کہ مجھے مغموم نہ ہونا چاہئے۔"

"کوئی ہمیشہ زندہ نہیں رہتا۔"

"کیا کہہ رہے ہیں آپ....!" وہ بوکھلا کر کھڑی ہو گئی۔ "وہ دوسرے صاحب تو کہہ رہے تھے....!"

"اُن کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" حمید نے یونہی رواروی میں کہہ دیا تھا۔

"میرے خدا....!" وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی اور حمید سوچنے لگا کہ کہیں تنہائی میں جا کر اسے اپنے سر پر کم از کم پانچ جوتے رسید کرنے چاہئیں۔ کیونکہ بوکھلاہٹ میں اس نے دل بہلانے کی بجائے دل ہلانے والی باتیں شروع کر دی تھیں۔ وہ کوشش کرنے لگا کہ سنبھالا لے سکے، لیکن بوکھلاہٹ تو بدستور طاری تھی۔

"آپ نن.... نہیں سمجھیں! میرا مطلب یہ ہے کہ آپ کے ڈیڈی واپس آ جائیں گے۔ اکثر غلط فہمی بھی پیدا ہو جاتی ہے۔"

"لیکن وہ غائب کیوں ہو گئے۔ میں نے بھی وہ نشان دیکھا ہے۔ میرے خدا.... میں کیا کروں۔"

"ایک بار....!" حمید نے اسٹارٹ لینا چاہا۔

"کچھ نہیں جناب! میں تنہائی چاہتی ہوں۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیجئے۔"

حمید نے محض اسی ایک جملے کی بناء پر اسے اپنی شان کے خلاف سمجھ کر موضوع بدلتے ہوئے

پوچھا۔ "کبھی کبھی یہ عمارت خالی بھی رہتی ہوگی۔"

"جی ہاں! ظاہر ہے۔ جب ہم نہیں ہوتے تو خالی ہی رہتی ہے۔"

"یعنی.... کوئی دیکھ بھال کرنے والا بھی نہیں ہوتا۔"

"یہ کیسے ممکن ہے۔ دو ملازموں میں سے ایک چوکیدار ہے جو مستقل طور پر یہیں رہتا ہے۔"

"کیا نام ہے۔"

"راجو....!"

حمید کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔ "کیا آپ کا خیال ہے کہ یہ حرکت اسی کی ہوگی جس نے آپ کے ساتھ کھانا کھایا تھا۔"

"وہ اتنا زیادہ ناشکرا تو نہیں معلوم ہوتا تھا۔" رضوانہ نے بیزاری سے کہا۔ غالباً وہ سچ مچ یہی چاہتی تھی کہ حمید وہاں سے اٹھ جائے۔

"بس مجھے اتنا ہی معلوم کرنا تھا شکریہ۔" وہ اٹھ گیا۔ ایسی بوریت اُس نے شاذو نادر ہی محسوس کی ہوگی جیسی بوریت سے اس وقت دوچار ہوا تھا۔

راہداری میں باورچی ہاتھوں پر چائے کی ٹرے اٹھائے آتا دکھائی دیا۔

"آپ چائے کہاں پئیں گے جناب۔" اس نے قریب پہنچ کر پوچھا۔

"کچن میں۔" حمید نے لاپروائی سے کہا اور آگے بڑھتا چلا گیا۔ فریدی کی وجہ سے یہ لغویت برداشت کرنی پڑی تھی کہ ملازمین اس سے چائے کے لئے پوچھیں۔

کچن کے قریب راجو نظر آیا۔ وقت تو گذارنا ہی تھا اس نے سوچا اس سے ہی تھوڑی بہت پوچھ گچھ کرڈالے حالانکہ یہ پوچھ گچھ رضوانہ سے آگے نہ بڑھ سکی۔ وہ اُس کے عادات واطوار پسند اور ناپسند کے بارے میں معلومات بہم پہنچا رہا تھا۔

کچن کی میز پر اُس کے لئے چائے رکھ دی گئی۔ اس نے پیالی اٹھائی ہی تھی کہ رضوانہ بوکھلائی ہوئی کچن میں داخل ہوئی۔

"اوہ.... معاف کیجئے گا جناب۔ مجھے علم نہیں تھا کہ آپ کون ہیں۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "ابھی ایک کانسٹیبل نے دوران گفتگو میں بتایا۔"

"کوئی بات نہیں.... بھلا اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟" حمید مسکرایا۔

وہ بھی کرسی کھینچ کر وہیں بیٹھ گئی۔

"میں نے کچھ دیر قبل آپ سے کچھ نامناسب قسم کی گفتگو کی تھی۔ اُس کے لئے معافی چاہتی ہوں۔ میں کیا بتاؤں ڈیڈی آپ لوگوں کے کتنے مداح تھے۔"

"تھے....؟ یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ "ہیں" کہیئے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں۔"

"خدا جانے....!" اُس نے ٹھنڈی سانس لی۔

حمید اسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ پھر بولی۔ "میں کرنل صاحب کی بے حد مشکور ہوں کہ وہ میری نگہداشت کے لئے آپ کو یہاں چھوڑ گئے ہیں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ چائے ختم کر کے پائپ میں تمباکو بھر رہا تھا۔ رضوانہ بھی خاموش بیٹھی رہی لیکن شاید وہ کچھ کہنا چاہتی تھی۔ بار بار اُس کے ہونٹ کھلتے اور بند ہو جاتے۔ حمید کو اس کا احساس تھا لیکن اُس نے براہِ راست اس کی طرف نہیں دیکھا! وہ خیالات میں کھوئے ہونے کی بہترین اداکاری کر رہا تھا۔ ویسے حقیقتاً اس وقت ذہن میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا کہ شاید اب وہ فریدی کے حکم کے مطابق اس کا "دل بہلانے" میں کامیاب ہو جائے۔

پھر وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ یک بیک ایک کانسٹیبل کچن میں داخل ہوا۔

"کیا بات ہے۔" حمید اس کی طرف مڑا۔

"جناب.... وہاں ہال میں۔" وہ خاموش ہو کر ہانپنے لگا۔ رضوانہ کھڑی ہو گئی تھی۔

"ہال میں کیا.... جملہ پورا کرو۔" حمید نے جھلا کر کہا۔

"ہال کا قالین فرش سے اٹھتا ہے اور پھر برابر ہو جاتا ہے۔"

حمید کی نظر تیزی سے رضوانہ کے چہرے پر گئی لیکن وہاں حیرت کے آثار کے علاوہ اور کچھ نہ نظر آیا۔

"کہیں تم بھنگ تو نہیں پی گئے۔" اس نے کانسٹیبل سے کہا۔

"جج.... جی.... یقین کیجئے جناب وہ نظر کا دھوکا نہیں ہو سکتا۔"

حمید نے استفہامیہ نظروں سے رضوانہ کی طرف دیکھا۔

"مجھے حیرت ہے۔" وہ آہستہ سے بڑبڑائی پھر جلدی سے بولی۔ "تو چل کر دیکھئے نا۔"

حمید نے بجھا ہوا پائپ وہیں میز پر ڈال دیا اور تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا۔

رضوانہ کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔

تہہ خانہ

کانسٹیبل اور حمید آگے چل رہے تھے۔ رضوانہ کا فاصلہ ان سے کم از کم سات یا آٹھ گز ضرور رہا ہوگا۔ یک بیک وہ اس طرح چونک پڑی جیسے کچھ یاد آگیا ہو۔ پھر ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نظر آئی۔

"ٹھہریئے۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا اور خود بھی رک گئی۔ حمید رک کر مڑا اور رضوانہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دیکھ کر اس کی بھنویں تن گئیں۔

"اب مجھے یاد آیا! وہ کوئی جنگلی بلی ہوگی یا اور کوئی چیز....!"

"قالین کے نیچے....!" حمید نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ دیں۔

"چلئے.... دیکھتے ہیں۔" رضوانہ آگے بڑھتی ہوئی بولی۔

حمید اسے شبہے کی نظر سے دیکھ رہا تھا۔

وہ ہال کے دروازے پر رک گئے۔ حمید آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر فرش کا جائزہ لے رہا تھا۔ پھر وہ بڑے غصیلے انداز میں کانسٹیبل کی طرف مڑا کیونکہ اسے وہاں کوئی غیر معمولی بات نہیں نظر آئی تھی۔

"صص.... صاحب! میں نے دیکھا تھا وہاں۔" اس نے ایک جانب ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"ہوسکتا ہے۔" رضوانہ بولی۔ "آیئے میں آپ کو دکھاؤں۔"

اس نے آگے بڑھ کر قالین کا گوشہ الٹ دیا اور سچ مچ ایک بڑی سی جنگلی بلی اچھل کر بھاگی۔ حمید کی پیشانی پر پھر سلوٹیں ابھر آئی تھیں۔ وہ تیزی سے آگے بڑھا۔ قالین کے ہٹے ہوئے گوشے کی جگہ ایک چھوٹا سا حوض نظر آیا جس کی گہرائی ڈھائی یا تین فٹ سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔

"یہ دیکھئے.... اس میں ایک نالی بھی ہے۔ وہ اسی کے راستے پر یہاں آئی ہوگی۔ اکثر ایسا ہوتا رہتا ہے۔" رضوانہ بولی۔

"ہوں.... یہ حوض دھوکے کی ٹٹی ہے گویا۔" حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "قالین تو ہوتا ہی ہے اس حصے پر بھی اگر بے خبری میں کسی کا پیر پڑ جائے تو کیا حشر ہوگا اس کی۔

ریڑھ کی ہڈی کا۔"

"یہ ناممکن ہے...." رضوانہ نے کہا۔ پھر چونک کر بولی۔ "اُوہ.... بڑی میز کس نے ہٹائی یہاں سے.... وہ دیکھئے۔ وہ بڑی میز ہمیشہ یہاں رہتی ہے۔"

"مگر میں نے آج تک کسی ہال میں حوض نہیں دیکھا۔"

"پتہ نہیں کیوں ڈیڈی نے یہاں کے سارے فرش جوں کے توں رہنے دیئے تھے۔ جہاں آپ حوض دیکھ رہے ہیں ہو سکتا ہے کہ اس جگہ غسل خانہ رہا ہو۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"یہ ایک پرانی اور ٹوٹی پھوٹی عمارت تھی۔ ڈیڈی نے اسے دوبارہ تعمیر کرایا ہے لیکن فرش جوں کے توں رہنے دیئے تھے۔ وہ اپنے کارناموں میں کسی کی بھی دخل اندازی برداشت نہیں کر سکتے اور نہ ان پر کوئی کسی قسم کا اعتراض کر سکتا ہے۔ اکثر ہم اُن سے کسی بات کی وجہ بھی نہیں پوچھ سکتے۔ ذرا ڈکٹیٹر قسم کے آدمی ہیں۔"

حمید صرف سر ہلا کر رہ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ فریدی نے یہاں تہہ خانوں کے امکانات کی طرف اشارہ کیا تھا۔ ہو سکتا ہے اُس کا خیال درست ہی ہو۔

اس وقت بات وہیں ختم ہو گئی۔ حمید فریدی کے مشورے کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا تھا۔ لہٰذا وہ اس کا منتظر رہا۔

رات سرد اور تاریک تھی۔ نو بجے ہی عمارت پر قبرستان کا سا سناٹا مسلط ہو گیا۔ رضوانہ بہت زیادہ خائف تھی وہ اس وقت تک اپنی خواب گاہ میں نہیں گئی جب تک کہ حمید نے اُسے یقین نہیں دلا دیا کہ ایک کانسٹیبل خواب گاہ کے دروازے ہی پر رات بھر موجود رہے گا۔

بارہ بجنے میں ابھی پانچ منٹ باقی تھے۔ لیکن حمید صدر دروازے پر پہنچ چکا تھا۔

ٹھیک بارہ بجے اس نے ہلکی سی دستک سنی اور دروازہ کھول دیا۔

آنے والا فریدی ہی تھا۔ دروازہ بند کر کے وہ وہیں رک گیا۔

"کوئی نئی خبر۔" اُس نے آہستہ سے پوچھا۔

"اب اس کی آنکھیں اتنی زیادہ سرخ نہیں ہیں۔" حمید نے جواب دیا۔

"خوب تو تم صرف اسی کے گرد منڈلاتے رہے ہو۔"

"محض اس لئے کہ اس کی ماں کا پتہ مجھے نہیں معلوم تھا۔"

"بہت جھلائے ہوئے معلوم ہوتے ہو۔"

"اگر آپ نے ایک ستار بھی مہیا کر دیا ہوتا تو اپنی کھوپڑی تو نہ بجانی پڑتی۔"

"چلو ختم بھی کرو۔ بہت کام کرنا ہے۔ ہو سکتا ہے ساری رات گذر جائے۔"

"تہہ خانوں کی تلاش....!"

"آؤ....!" فریدی آگے بڑھتا ہوا بولا۔

"ٹھہرئیے! میرے پاس ایک خبر ہے۔ ہو سکتا ہے آپ کے لئے اہمیت رکھتی ہو۔"

"تو بتاؤ نا....!"

"اس نے اُسے اس حوض کے متعلق بتایا جس سے جنگلی بلی بر آمد ہوئی تھی۔ فریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "ہمیں وہیں سے ابتدا کرنی چاہئے۔"

حمید نے کچھ پوچھنا چاہا لیکن وہ آگے بڑھ چکا تھا۔ محدود روشنی والی ٹارچ اندھیرے میں رہنمائی کر رہی تھی۔ وہ ہال میں آپہنچے۔

ملازموں کو حمید نے سختی سے تاکید کی تھی کہ وہ رات میں اپنے کمروں سے قطعی نہ نکلیں۔ کانسٹیلوں میں سے ایک عمارت کے باہر تھا اور دوسرا رضوانہ کی خوابگاہ کے قریب۔

حمید نے قالین کا گوشہ الٹ دیا۔ ٹارچ کی روشنی حوض میں رینگ گئی۔

"غیر معمولی....!" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

حمید نے اس عمارت کے متعلق وہ سب کچھ بتایا، جو رضوانہ سے معلوم ہوا تھا۔

"اوہ ذرا ان نالیوں کو دیکھو جو دونوں جانب اوپر سے نیچے کی طرف گئی ہیں۔ بھلا ان کا کیا مصرف ہو سکتا ہے.... اور پھر ان کے درمیان لوہے کی ابھری ہوئی پٹریاں۔ کیا تم نے ان پر دھیان دیا تھا۔"

"قطعی نہیں.... اوہ میں تو انہیں دیکھ ہی نہیں سکا تھا۔"

فریدی نے پھر ٹارچ کی روشنی حوض میں ڈالی اور حمید نے پوچھا "کیا نیچے اتر کر دیکھوں۔"

وہ چونک کر حوض کی تہہ میں دیکھنے لگے، جو آہستہ آہستہ اوپر اٹھ رہی تھی۔ یعنی دہانے سے تہہ خانے کا فاصلہ بتدریج کم ہوتا جا رہا تھا۔

"پیچھے ہٹو!" فریدی نے اسے آہستہ سے دھکا دیا۔ ٹارچ بجھا دی اور اس کا بازو پکڑے ہوئے تیزی سے پیچھے ہٹ آیا۔

اب وہاں اتنا گہرا اندھیرا تھا کہ وہ صرف سانسوں کی آواز سے ایک دوسرے کا وجود محسوس کر سکتے تھے۔

جیب میں پڑے ہوئے ریوالور کے دستے پر حمید کی گرفت مضبوط ہوتی گئی۔

یک بیک فریدی نے ٹارچ روشن کر دی اور روشنی کی لکیر سامنے کھڑے ہوئے ایک آدمی پر پڑی جو اس اچانک تبدیلی پر بوکھلا گیا تھا۔

"سر سجاد....!" دفعتاً فریدی نے کہا۔ "اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کرنا۔"

اس آدمی کی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا۔ روشنی اس کے چہرے ہی پر پڑ رہی تھی، لیکن فوکس براہِ راست آنکھوں پر نہیں تھا۔ اس لئے آنکھوں میں جذباتی تغیر بآسانی پڑھا جا سکتا تھا۔

"تم آخر ہو کون! کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہو۔" سر سجاد نے خوفزدہ سی آواز میں کہا۔

"خود کو زیرِ حراست تصور کرو۔" فریدی سپاٹ آواز میں بولا۔

"اوہ....!" سر سجاد نے طویل سانس لی اور حمید نے اس کے چہرے پر اطمینان کی لہریں محسوس کیں۔ وہ چند لمحے پلکیں جھپکاتا رہا پھر بولا۔ "میری پوری بات سنے بغیر کوئی اقدام نہ کیجئے گا ورنہ کھیل بگڑ جائے گا۔ میں نے ایک خطرناک آدمی کو پھانسنے کے لئے بڑی محنت کی ہے۔ اوہ.... مگر میرے خدا کہیں میں اُسی کے جال میں نہ پھنس گیا ہوں۔ تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ تم پولیس....!"

"اس کی پرواہ مت کرو سر سجاد۔" فریدی نے کہا۔ "تم مجھے پہچان سکو گے۔"

"آپ کون ہیں۔" سر سجاد بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "براہِ کرم میرا نام اتنی بلند آواز میں نہ لیجئے۔ ورنہ ساری محنت پر پانی پھر جائے گا۔"

"تم آخر کہنا کیا چاہتے ہو۔"

"اختصار سے کام نہیں چلے گا۔ خدارا بتایئے آپ کون ہیں۔ کیا میں آپ کو پہچانتا ہوں۔"

"پچھلے سال کتوں کی نمائش میں کسی سے تمہارا جھگڑا ہوا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"اوہ.... ہو! تب.... کیا.... کرنل فریدی۔" سر سجاد کی آواز کانپ رہی تھی اور حمید نے

اس کے چہرے پر مسرت کے آثار دیکھے۔

"تمہارا خیال غلط نہیں ہے۔"

"خدا کی قسم اس وقت تہہ خانے سے نکلنے کا یہی مقصد تھا کہ کسی طرح آپ تک پہنچ سکوں۔"

"ہوں....!" فریدی نے طویل سانس لی۔ "ہم کہاں گفتگو کر سکیں گے۔"

"تہہ خانے سے بہتر اور کوئی جگہ نہ ہو سکے گی۔ لیکن پہلے ہمیں اطمینان کر لینا چاہئے کہ کوئی ہماری ٹوہ میں تو نہیں تھا۔"

"اگر اس وقت کوئی تمہاری ٹوہ میں ہو سکتا ہے تو پھر تم مطمئن کیوں تھے کہ تمہاری محنت رآور ہی ہوئی ہو گی۔"

"میں بڑی الجھنوں میں ہوں کرنل! قوتِ فیصلہ جواب دے چکی ہے۔"

"بلب روشن کر دو۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

"اوہ یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔" سر سجاد بول پڑا۔

"فکر نہ کرو۔ سارے دروازے اور کھڑکیاں بند ہیں۔"

حمید کو اندازہ تھا کہ سوئچ بورڈ کہاں ہو گا۔ وہ بآسانی اُس تک پہنچ گیا۔ روشن ہونے والا ایک بلب کافی تھا۔ سر سجاد پوری طرح روشنی میں آگیا۔ حمید نے اُسے پہلی بار دیکھا تھا۔ پھر اس کی اس گوشے میں رینگ گئی جہاں حوض تھا۔ اس جگہ اب چار پانچ فٹ اونچا دروازہ نظر آرہا تھا! وہ حوض سے ابھرا تھا۔

فریدی اسے توجہ اور دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

"کیا آپ تہہ خانے میں چلیں گے۔" سر سجاد نے پوچھا۔

"میں اس وقت تہہ خانے کی فکر میں آیا تھا۔" فریدی مسکرایا۔

"آپ کیا جانیں۔" سر سجاد کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اس فرش پر چلنے سے اندازہ ہو جاتا ہے.... مگر یہ سب کیا تھا سر سجاد۔"

"آپ نے اس نشان سے کیا اندازہ لگایا تھا۔"

"یہی کہ کسی نے خواہ مخواہ پولیس کو بیوقوف بنانے کی کوشش کی ہے۔"

"مگر یہ صرف آپ ہی سوچ سکتے ہیں۔" سر سجاد مسکرایا! "اور کسی کے بس کا روگ نہیں۔"

"خام خالی ہے سر سجاد! پولیس کی کاروائیاں بھی سطحی نہیں ہوتیں۔ خون کے دھبوں کو ٹسٹ کر کے بتایا جاسکتا ہے کہ وہ آدمی کا خون تھا بھی یا نہیں۔"

"اوہ تو کیا دھبے ٹسٹ کر لئے گئے ہیں۔"

"قطعی طور پر.... وہ کسی آدمی کا خون نہیں ہو سکتا اور میں ذاتی طور پر اس حد تک آگے جاسکتا ہوں کہ اسے کبوتر کا خون باور کرلوں۔"

"خدا کی پناہ.... کمال ہے۔"

"باتوں میں وقت نہ ضائع کرو سر سجاد۔ تمہیں بہت سنجیدگی سے جواب دہی کرنی ہے۔ بیٹھ جاؤ۔" فریدی نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"ہماری باتیں یہاں سنی بھی جاسکتی ہیں کرنل۔"

"بیٹھ جاؤ۔" فریدی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"اوہ....!" یک بیک حمید نے سر سجاد کے چہرے کی رنگت بدلتے دیکھی۔ شاید اسے طیش آگیا تھا۔ وہ چند لمحے فریدی کو گھورتا رہا پھر بولا۔ "یہ بھی ایک بہت بڑی مجبوری ہے، ورنہ میں اس قسم کا لہجہ برداشت کرسکتا۔ کرنل فریدی انسانیت کے دائرے سے باہر نہ نکلو تو بہتر ہے۔"

وہ بُرا سا منہ بنائے ہوئے بیٹھ گیا اور چند لمحے خاموش رہ کر پھر بولا۔

"ان حالات میں میری موت کی تمام تر ذمہ داری آپ پر ہوگی۔ یہ سب کچھ میں نے پولیس کو دھوکا دینے کیلئے نہیں بلکہ ایک نامعلوم دشمن کے اندیکھے حملوں سے محفوظ رہنے کیلئے کیا تھا۔"

"میں وہی سب کچھ سننا چاہتا ہوں۔" فریدی نے پر سکون لہجے میں کہا۔

"خیر جانے دیجئے۔" سر سجاد نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔ "ابھی آپ خود ہی تہہ خانے میں داخل ہونے کی ضرورت محسوس کریں گے۔"

"میں اب کہتا ہوں کہ تہہ خانے میں نہیں جاؤں گا۔ لیکن کہانی تو یہیں سنی جائے گی۔"

"آپ وہاں ذرہ برابر بھی گھٹن محسوس نہیں کریں گے۔ میرا دعویٰ ہے۔"

"حکم کی تعمیل کیجئے.... ورنہ....!" یک بیک حمید نے بھی آنکھیں نکالیں۔

سر سجاد اُسے صرف گھور کر رہ گیا۔

"میں منتظر ہوں سر سجاد۔" فریدی نے کہا۔

سر سجاد نے فوراً ہی زبان نہیں ہلائی۔ تھوڑی دیر تک سوچتے رہنے کے بعد بولا تھا۔"دس سال گذرے میں نے اس عمارت کے کھنڈر خریدے تھے۔ مقصد اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا کہ اسی پر دوسری عمارت تعمیر کراؤں، لیکن دوران تعمیر میں مجھے معلوم ہوا کہ فرش کے نیچے تہہ خانے ہیں۔ اس لئے میں نے سارے فرش جوں کے توں رہنے دیئے۔ تہہ خانوں کی صفائی کرائی اور انہیں استعمال کے قابل بنایا۔ بڑے شاندار تہہ خانے ہیں کرنل۔ گرمیوں میں ایئر کنڈیشنڈ کمروں کا لطف آجاتا ہے بلکہ اُن کمروں کی مصنوعی ٹھنڈک تو بعض اوقات تکلیف دہ بھی ہو جاتی ہے۔ مگر ان تہہ خانوں کی خوشگوار ٹھنڈک.....!"

"سر سجاد! مجھے علم ہے کہ تہہ خانے گرمیوں میں آرام دہ ہوتے ہیں۔" فریدی نے طنزیہ لہجے میں کہا اور سر سجاد اس طرح چونک پڑا جیسے اپنے بہک جانے کا احساس ہو گیا ہو۔ اس کے ہونٹوں پر ایک ندامت آمیز سی مسکراہٹ نظر آئی اور اس نے کہا۔

"اوہ میں بہک گیا تھا شائد! دراصل اس واقعہ میں تہہ خانوں کی کسی نامعلوم اہمیت کے علاوہ آپ کو اور کچھ نہ ملے گا۔ اس لئے شائد آپ میری گفتگو کو بے ربط نہ قرار دے سکیں۔ ہاں تو پچھلے چھ ماہ سے مجھے کسی نامعلوم آدمی کے خطوط موصول ہوتے رہے ہیں کہ میں عمارت فروخت کر دوں۔ کس کے ہاتھ فروخت کر دوں یہ آج تک نہ معلوم ہو سکا۔ ایک آدھ بار اس نے فون پر بھی گفتگو کی ہے۔ لیکن میں نے سختی سے منع کر دیا کہ آئندہ وہ اس قسم کی گفتگو نہ کرے کیونکہ میں عمارت کو فروخت کر دینے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ اس کے بعد مجھے دھمکیاں ملنے لگیں۔ ایک ماہ گذرا اس نے مجھے بلیک میل کرنے کی بھی کوشش کی تھی۔ آپ جانئے ہر آدمی کی زندگی سے کوئی نہ کوئی ایسا واقعہ ضرور وابستہ ہوتا ہے جس کا منظر عام پر آنا وہ کسی صورت سے بھی پسند نہیں کر سکتا۔ بہر حال میں نے اس کی بھی پرواہ نہیں کی۔ پھر اُس نے قتل کرا دینے کی دھمکی دی۔ یہ ابھی پچھلے ہی ہفتے کی بات ہے۔ پھر اچانک پچھلی رات وہ واقعہ پیش آیا۔ میں نہیں جانتا کہ اس کا کیا مقصد تھا۔ کیا اس آدمی کی آمد بھی کسی قسم کی دھمکی ہی تھی۔ لیکن اس طرح تو میرے ہوشیار ہو جانے کے امکانات تھے۔ ظاہر ہے کہ اس کے چلے جانے کے بعد میں سو نہ سکا ہوں گا۔ میں جاگ ہی رہا تھا کہ کسی نے خواب گاہ کے دروازے پر دستک دی۔ میں سمجھا شائد رضوانہ ہے اور ڈر رہی ہے، ورنہ شائد میں اس طرح بے دھڑک دروازہ بھی نہ کھولتا۔ دروازہ کھولا ہی تھا کہ ایک

آدمی مجھ پر ٹوٹ پڑا۔ اس کے ہاتھ میں خنجر تھا۔ بس اتفاق ہی تھا کہ میں بچ گیا۔ خنجر اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور میری یہی کوشش تھی کہ وہ دوبارہ اس کی گرفت میں نہ آسکے۔ وہ شاید نروس بھی ہو گیا تھا۔ کچھ دیر بعد میں نے اسے پوری طرح زیر کر لیا اور اپنے ملازمین کو تو پہلے ہی سے آوازیں دیتا رہا تھا لیکن کسی کم بخت سے یہ نہ ہو سکا کہ کمرے سے باہر آتا۔"

"مگر انہیں تو تم نے تاکید کر دی تھی کہ وہ اپنے کمروں سے نہ نکلیں۔" فریدی نے ٹوکا۔

"ہاں! میں نے کہا تھا لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں تھا کہ میں اس طرح ذبح کر ڈالا جاؤں اور کسی کے کان پر جوں نہ رینگے۔ پہلے آدمی کی آمد پر دراصل میں الجھن میں پڑ گیا تھا اور اسی الجھن کے دوران میں نے انہیں ان کے کمروں میں بھیج دیا تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس آدمی کی آمد سے پہلے مجھے یقین نہیں تھا کہ نامعلوم آدمی کی طرف سے ملنے والی دھمکیوں میں اصلیت بھی ہو گی۔ آپ خود سوچئے وہ اپنی شخصیت ظاہر نہیں کرنا چاہتا۔ پھر مجھ سے عمارت خریدے گا کون.... کوئی نہ کوئی تو سامنے آئے گا ہی۔ پھر رازداری کا سوال کہاں پیدا ہوتا ہے۔"

"تو آپ کو توقع نہیں تھی کہ معاملات اس حد تک بڑھ جائیں گے۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں! ورنہ میں کم از کم رضوانہ کو تو یہاں ہرگز نہ رکھتا۔ میرے خدا وہ کتنی پریشان ہو گی۔ کہاں ہے.... کیا آپ نے اسے شہر بھجوا دیا۔"

"نہیں وہ یہیں ہیں۔" فریدی بولا اور حمید نے محسوس کیا جیسے یک بیک اس کے رویے میں کسی قسم کی تبدیلی واقع ہو گئی ہو۔ ابھی تک تو اس کا لہجہ ایسا ہی رہا تھا جیسے وہ کسی معمولی مجرم سے بیان لے رہا ہو۔ لیکن اب گفتگو کے انداز میں شائستگی کی جھلکیاں سی محسوس ہونے لگی تھیں۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ ہر طرح محفوظ ہیں۔ ہاں تو پھر آپ نے اس حملہ آور کو کہاں چھوڑا۔"

"وہ تہہ خانے میں ہے کرنل.... اس کی کہانی سن کر ہی میں نے سوچا تھا کہ میں کسی بڑے خطرناک آدمی سے ٹکرا گیا ہوں۔ اسی لئے مجھے یہ سب کچھ کرنا پڑا اور اب میں آپ کے مشورے کا منتظر ہوں۔"

آپ کو کیا کرنا پڑا تھا۔"

"دھوکا دینا پڑا تھا۔ میں نے سوچا دوسروں کو شبہات میں مبتلا کر کے لاپتہ ہو جاؤں اور پھر

دیکھوں کہ وہ کون ہے اور میرے پیچھے کیوں پڑا ہے؟ نوکروں نے باہر نکلنے کی ہمت نہیں کی تھی۔ رضوانہ بھی کمرے ہی میں رہی تھی۔ آوازیں سبھوں نے سنی ہوں گی۔ میں نے حملہ آور کے ہاتھ پیر باندھ کر ایک طرف ڈال دیا۔ میلے کپڑوں کی ایک گٹھری بنائی اس میں دو تین وزنی پتھر رکھے اور دو کبوتر کابک سے نکالے اور انہیں ذبح کر کے گٹھری میں ڈال دیا اور اسے ایسی جگہوں پر گھسیٹتا پھرا جہاں نشان صاف دیکھا جا سکے۔"

"اور پھر اُس کے بعد آپ نے حملہ آور کو مجبور کیا ہو گا کہ وہ اپنے متعلق بتائے۔" فریدی نے کہا۔

"اس کے بعد۔" سر سجاد نے حیرت سے دہرایا اور پھر مسکرا کر بولا۔ "اس سے پہلے کہئے۔ بھلا اس سے اس کی حقیقت معلوم کئے بغیر یہ سب کیسے کر گذرتا۔"

فریدی کسی خیال میں گم اُسے گھورے جا رہا تھا۔ یک بیک اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی اور اُس نے کہا۔ "میں اس آدمی کا بیان لینا چاہتا ہوں۔"

"بس کسی طرح اس سے یہ اُگلوائیے کہ اسے کس نے بھیجا تھا۔"

"کیا مطلب....؟" فریدی اسے پھر گھورنے لگا۔

"وہ کہتا ہے کہ اسے سیاہ رنگ کے ایک کتے نے یہاں بھیجا تھا۔" سر سجاد نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

کس کی کہانی

حمید نے قہقہہ لگایا۔ چند لمحے ہنستا رہا پھر یک بیک سنجیدگی اختیار کر کے بولا۔

"میں اس کتے سے واقف ہوں۔ اس کی خالہ شوخ رنگ کی لپ اسٹک استعمال کرتی ہے۔"

"آپ میرا مضحکہ نہیں اڑا سکتے۔" سر سجاد جھلا گیا۔ "کیا یہ میرا ذاتی بیان ہے؟ اُس نے جو کچھ بھی مجھ سے کہا تھا آپ کے سامنے دہرا رہا ہوں۔"

"ٹھیک ہے.... ٹھیک ہے۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "آپ پر اس کی ذمہ داری نہیں ہے۔ ویسے وہ ہے کہاں!"

"تہہ خانے میں.... پہلے ہی عرض کر چکا ہوں۔"

"تو چلئے اسے بھی دیکھ لیں۔" فریدی بولا۔

"ہرگز نہیں۔" حمید بول پڑا۔ "یہ اسی صورت میں ممکن ہے۔ جب رضوانہ بھی ہمارے ساتھ ہو۔"

"میں پھر کہتا ہوں کہ کھیل بگڑ جائے گا۔ میری ساری محنت برباد ہو جائے گی۔ اچھا ٹھہریئے۔ میں خود ہی اُسے اوپر لاتا ہوں۔"

"اب یہ بھی ناممکن ہے۔" حمید نے پیشانی پر بل ڈال کر کہا۔ "آپ یہاں سے ہل بھی نہیں سکتے۔"

سر سجاد نے فریدی کی طرف دیکھا۔ حمید کو بھی اس کی طرف متوجہ ہونا ہی پڑا تھا کیونکہ اُس نے سر سجاد سے اس کی بحث بڑے سکون کے ساتھ سن لی تھی۔ اسے اس سے باز رکھنے کی کوشش نہیں کی تھی، حالانکہ اس نے خود ہی اس پر رضامندی ظاہر کی تھی کہ اس کے ساتھ تہہ خانے میں جائے گا۔

"یہ نئی الجھن پیدا کر دی آپ لوگوں نے۔" فریدی تشویش کن لہجے میں بولا۔ پھر بلند آواز میں بولا۔ "خیر.... چلئے یہ جھگڑا بھی ختم کئے دیتا ہوں۔ آپ دونوں یہیں ٹھہریئے۔ میں تنہا تہہ خانے میں جاؤں گا۔"

"اس پر مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا۔" حمید بولا۔

"پھر مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" سر سجاد ہنس پڑا۔ "چلئے یونہی سہی۔"

چند لمحے خاموشی رہی پھر فریدی ٹارچ سنبھالے ہوئے تہہ خانے کے دروازے میں داخل ہو گیا۔

حمید کی نظریں سر سجاد پر تھیں اور ہاتھ جیب میں پڑے ہوئے ریوالور کے دستے پر تھا۔ ضرورت پڑنے پر وہ جیب ہی سے فائر بھی کر سکتا تھا۔

"آپ بڑے شکی معلوم ہوتے ہیں۔" سر سجاد نے مسکرا کر کہا۔

"دنیا کے ہر فلسفے کی ابتداء شک ہی سے ہوتی ہے۔" حمید بھی جواباً مسکرایا۔ "اب یہ جو فلسفہ ہو گیا ہے نا ہماری راتوں کی نیندیں تک ہڑپ کر جائے گا۔"

"آپ اسے فلسفہ کہتے ہیں۔"

"میرے لئے ہر وہ چیز جو کھودا پہاڑ اور نکلا چوہا کے مصداق ہو، فلسفے کا درجہ رکھتی ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔" سر سجاد نے استفہامیہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

"ہم سمجھے تھے کہ کسی کی لاش گھسیٹی گئی ہو گی، لیکن آپ کبوتروں کی کہانی سنا رہے ہیں اس لئے میں اسے فلسفہ ہی کہوں گا۔"

"اوہ....!" سر سجاد مسکرایا۔ "آپ تو فلسفیوں ہی کی سی باتیں کر رہے ہیں۔"

"ہر وہ شخص فلسفی ہے، جو صرف باتیں ہی کر سکتا ہو۔"

یک بیک سر سجاد چونک کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

"شاید میں نے کسی کی آہٹ سنی تھی۔" اُس نے آہستہ سے کہا۔

"ہو سکتا ہے۔" حمید نے کلائی کی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "اگر کرنل دومنٹ کے اندر اندر برآمد نہ ہوئے تو میں تمہیں گولی مار دوں گا سر سجاد۔"

"آپ کیسی بے تکی باتیں کرتے ہیں۔"

"یہ فلسفہ نہیں! دھماکے اور خون کی باتیں ہیں سر سجاد۔"

سر سجاد نے اوور کوٹ کا کالر کانوں تک اٹھالیا اور فلٹ ہیٹ کا گوشہ پیشانی پر جھک آیا۔ حمید نظریں اس کے ہاتھوں ہی پر تھیں۔

سر سجاد نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور بولا۔ "میرے تہہ خانے بہرام کے تہہ خانے نہیں ہیں اور نہ میں نے پولیس سے کسی قسم کا فراڈ ہی کیا ہے بلکہ ہو سکتا ہے کہ پولیس کو یری اس کاروائی سے کسی قسم کی مدد ملے اور....!"

وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا کہ ایک آدمی تہہ خانے کے دروازے سے لنگڑاتا ہوا برآمد ہوا۔ س کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے۔

اس کے بعد ہی فریدی بھی دروازے میں نظر آیا۔ سر سجاد حمید کی طرف قہر آلود نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ یک بیک وہ فریدی سے مخاطب ہو کر بولا۔ "یہ صاحب سمجھ رہے تھے کہ شائد ں نے آپ کو موت کے منہ میں بھیج دیا ہے۔"

"تہہ خانے بڑے شاندار ہیں سر سجاد۔" فریدی اس کی بات پر دھیان دیئے بغیر بولا۔

"جی ہاں! اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ تہہ خانے ہی میری پریشانیوں کا باعث ہوں۔"

فریدی قیدی کی طرف مڑا اور بولا۔ "میرا خیال ہے کہ میں تمہیں پہچانتا ہوں۔ تم سورج نگر ڈکیتی کیس کے الزام میں چھ سال کی سزا بھگت کر چھوٹے تھے۔ تقریباً چھ ماہ پہلے کی بات ہے۔"

"جی ہاں! میرا نام نصرت ہے۔ لیکن.... اگر کوئی میرے چیتھڑے بھی اڑا دے تو میں یہ نہ بتا سکوں گا کہ میں کس کے لئے کام کر رہا ہوں۔"

"اتنے سخت جان ہو۔" فریدی مسکرایا۔

"میں جانتا ہی نہیں جناب بتاؤں گا کیا۔"

"تمہیں اعتراف ہے کہ تم نے سر سجاد پر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔"

"مجھے اعتراف ہے جناب۔ انکار کی گنجائش ہی نہیں جبکہ سر سجاد بھی یہیں موجود ہیں۔"

"یہ تمہارا بیان ہے کہ تم اپنے باس سے واقف نہیں ہو۔ لیکن اس پر کیسے یقین کیا جاسکتا ہے تمہیں کاموں کی اُجرت کس سے ملتی ہے۔"

"ایک سیاہ رنگ کے کتے سے! وہی اس کا ہرکارہ ہے۔"

"تم اس کی ملازمت میں کیسے آئے تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

وہ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "چھ ماہ پہلے کی بات ہے۔ میں جیل سے رہا ہوا تھا ایک وقت کی روٹی کا بھی سہارا نہیں تھا۔ میرے لئے نہ کوئی خوش ہونے والا تھا اور نہ کوئی مغموم ہونے والا۔ شہر میں میرا کوئی شناسا بھی نہیں تھا جس سے مدد مل سکتی۔ میں نے پہلی بار ایک بڑا جرم کیا تھا۔ لمبی سزا بھگتی تھی اور تہیہ کر لیا تھا کہ اب جرائم سے دور ہی رہوں گا۔ لیکن.... لیکن.... کاش میں نے اس پراسرار پرس پر فاقوں کو ترجیح دی ہوتی۔"

"کیسا پرس....؟" فریدی براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"وہ پرس نامعلوم طور پر میری جیب میں پہنچا تھا۔ میں سڑک کے ایک ایسے فٹ پاتھ سے گذر رہا تھا جہاں کھوے سے کھوا چھلتا ہے۔ دفعتاً میں نے اپنی داہنی جیب میں کسی قسم کا وزن محسوس کیا۔ یہ اسی شام کی بات ہے جس کی صبح میں رہا ہوا تھا۔ جیب خالی تھی اور میری آنتیں بھوک سے اینٹھ رہی تھیں۔ بہرحال بے اختیارانہ طور پر میرا ہاتھ جیب میں چلا گیا تھا۔ پلاسٹک کا چکنا پرس میری انگلیوں میں پھسل رہا تھا۔ میں چکرا گیا۔ تھوڑی دیر تک تو کچھ سمجھ ہی میں نہیں آیا تھا اور پھر مجھ پر ایسی وحشت طاری ہوئی تھی جیسے مجھے جیب تراشی کرتے ہوئے دیکھ لیا گیا ہو۔

میں فٹ پاتھ کی بھیڑ سے نکل کر ایک گلی میں ہو لیا۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس پرس کو کیسے دیکھوں، جیب سے کیسے نکالوں! بالآخر ایک جگہ ایک پبلک پیشاب خانے پر نظر پڑی اور میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ وہاں میں بآسانی پرس کا جائزہ لے سکتا تھا۔ پرس میں سو روپے کی کرنسی تھی۔ اس کے علاوہ اس میں سے اور کچھ بھی برآمد نہ ہوا۔ پرس میں نے وہیں پھینک دیا اور نوٹ جیب میں ڈالے۔ پھر پانچ دن بڑی شان سے بسر ہوئے اور میں اسی دوران میں کام بھی تلاش کرتا رہا۔ لیکن آپ کو ایمانداری سے بتاؤں کہ اب پھر میری نیت ڈانواڈول ہو گئی تھی۔ چھ سال تک شراب نہ ملنے کی وجہ سے مجھ میں جو ذہنی تبدیلی ہوئی تھی وہ ان سو روپوں کے نوٹوں نے غارت کر دی۔ اگر میں نے محنت مزدوری کر کے دن بھر میں صرف ایک روپیہ کمایا ہوتا تو شراب پینے کا خیال تک نہ آتا مگر مفت کے سو روپے.... انہوں نے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔ ہر ہفتے مجھے اسی طرح پُراسرار طور پر سو روپے ملتے رہے۔ اب میں نے ایک چھوٹا سا فلیٹ بھی کرایہ پر حاصل کر لیا تھا۔ چوتھے ہفتے کے روپیوں کے ساتھ ایک پرچہ بھی ملا جس پر تحریر تھا۔ "اب اپنی مدد آپ کرو۔ یہ فلیٹ چھوڑ کر تارجام کی گرین بلڈنگ میں فلیٹ لو۔ نچلی منزل میں ایک فلیٹ خالی ہے۔" میں نے اس ہدایت پر عمل کیا۔ یہاں پہنچنے پر سو کی بجائے ڈیڑھ صد روپے فی ہفتہ کے حساب سے ملنے لگا۔ لیکن اب طریق کار بدل گیا تھا جس کے متعلق مجھے پہلے ہی سے آگاہ کیا گیا تھا.... اب ایک سیاہ رنگ کا کتا پیغام رسانی کا کام کرتا ہے۔"

"روپے کس طرح ملتے ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"کتے ہی کے ذریعہ.... میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں سے آتا ہے اور کہاں واپس جاتا ہے اس کا پٹہ پرس کی طرح کئی تہیں رکھتا ہے۔ اسی میں پیغامات اور کرنسی نوٹ ہوتے ہیں۔"

"تم نے کبھی نہ کبھی اس کتے کا تعاقب تو ضرور ہی کیا ہو گا۔" فریدی نے کہا۔ "قدرتی بات ہے تم اُس آدمی کے بارے میں جاننا چاہتے ہو گے۔"

"صرف ایک بار.... لیکن وہ تو چھلاوہ ہے۔ اس تعاقب کے بعد ہی مجھے اس نامعلوم آدمی کی طرف سے تنبیہہ کی گئی تھی کہ اگر میں نے آئندہ ایسی حرکت کی تو قتل کر دیا جاؤں گا۔ میں نے سوچا اگر اس کی نوبت آئی تو کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہو گی اور میں دوسری دنیا میں پہنچ جاؤں گا۔ ظاہر ہے، جو لاعلمی میں میری جیب میں پرس ڈال سکتا ہو۔ وہ کیا پسلی میں خنجر نہیں اتار سکتا۔

ایسا دشمن انتہائی خطرناک ہوتا ہے، جو کبھی سامنے نہ آیا ہو۔"

"اس سے پہلے بھی تم اسکے حکم سے دوسروں کو قتل کرتے رہے ہو۔" فریدی نے سوال کیا۔

"نہیں جناب! قطعی نہیں۔ کل پہلی بار مجھ سے کوئی کام لیا گیا تھا۔ وہ بھی اتنے کم وقت میں کہ مجھے کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہیں مل سکا۔ پچھلی رات ٹھیک گیارہ بجے وہ کتا میرے پاس پہنچا تھا۔ میں نے پٹے سے پیغام نکالا اور میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ مجھ سے اتنے تھوڑے وقت میں کوئی ایسا خطرناک کام لے گا۔ صرف دو گھنٹے کا وقت تھا۔ لکھا تھا کہ ٹھیک ایک بجے جنگل کے قریب والی کوٹھی میں پہنچ جاؤ۔ کوٹھی کا نقشہ بھی بھیج رہا ہوں۔ کوٹھی کے سارے افراد سہمے ہوئے ہیں۔ شاید کوئی بھی اپنے کمرے سے نکلنے کی ہمت نہ کرے۔ تم سر سجاد کی خواب گاہ کے دروازے پر رک کر دستک دینا۔ اگر دروازہ نہ کھلے تو بھرائی ہوئی نسوانی آواز میں ڈیڈی کہہ کر پکارنا۔ سر سجاد سمجھے گا کہ اس کی بیٹی نیند سے اٹھ کر آئی ہے۔ یقیناً دروازہ کھول دے گا جیسے ہی سامنے آئے اس کے سینے میں خنجر اتار دینا۔ میں اپنی آواز بہ آسانی بدل سکتا ہوں۔ وہ میرے متعلق یہاں تک جانتا ہے کیا نہیں جانتا میرے بارے میں؟"

وہ خاموش ہو گیا۔ حمید نے محسوس کیا کہ سر سجاد کی سانس پھول رہی ہے۔ چہرے کی رنگت میں غالباً ہلکی سی زردی بھی شامل ہو گئی تھی۔ فریدی اس کی طرف مڑا۔

"لیکن آپ نے صرف دستک ہی پر دروازہ کھول دیا تھا۔"

"جی ہاں! میں حقیقتاً یہی سمجھا تھا کہ رضوانہ ہے اور غالباً ڈر رہی ہے۔" سر سجاد بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"اگر میں آپ کی جگہ ہوتا تو اس اجنبی کی روانگی کے بعد ہی رضوانہ کو یہاں سے لے کر شہر چلا جاتا۔" فریدی نے کہا۔

"اوہ.... ہر طرح کے خیالات گھیرے ہوئے تھے مجھے۔" سر سجاد اپنی پیشانی رگڑتا ہوا بولا۔ "میں نے سوچا تھا کہ ممکن ہے اجنبی کی آمد کا مقصد ہی یہی رہا ہو کہ میں بوکھلا کر شہر کی طرف روانہ ہو جاؤں اور راستے میں مجھے گھیرا جائے۔ میں اتنا نروس ہو گیا تھا کہ میں نے اپنے اس ان دیکھے دشمن پر برسنا شروع کر دیا تھا۔"

"اجنبی کی زبردستی کی اطلاع آپ کو کم از کم اسی وقت تارجام کے پولیس اسٹیشن کو دینی

چاہئے۔ یہاں فون بھی موجود ہے۔"

"میں نے کوشش کی تھی لیکن تار کٹے ہوئے پائے تھے۔"

"ہوں تو.... یہ خیال غلط ہے کہ.... خیر خیر....!"

فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے قیدی کو مخاطب کیا۔ "کیا اس نے یہ بھی لکھا تھا کہ عمارت میں داخل ہونے سے پہلے فون کے تار کاٹ دینا۔"

"جی نہیں! اس قسم کی کوئی ہدایت نہیں تھی۔"

"تار تو میرے خیال سے اسی وقت کاٹے گئے تھے، جب اجنبی یہاں داخل ہوا تھا" سر سجاد بولا۔

"ہو سکتا ہے....!"

"تو پھر یہ اجنبی.... حقیقتاً کسی بڑی سازش کا کوئی حصہ معلوم ہوتا ہے۔" فریدی نے حمید کی ف دیکھ کر کہا۔

"اگر آپ کو ان لوگوں کے بیان پر یقین ہے تو یہی کہا جا سکے گا۔" حمید نے کہا۔

"یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔" فریدی نے کہا اور پھر قیدی سے بولا۔ "اس کے میں اندازاً تم جیسے کتنے آدمی ہوں گے۔"

"ہو سکتا ہے کہ اور بھی ہوں۔ لیکن میں ان سے واقف نہیں ہوں۔"

"تم کچھ چھپانے کی کوشش کر رہے ہو" فریدی کا لہجہ یک بیک سخت ہو گیا۔ وہ اسے گھور رہا تھا۔

"ایسے وقت میں کیا چھپاؤں گا جب کہ مجھے یقین ہے کہ اس بار دس سال سے کم کی نہیں گی۔"

"آپ نے بڑی عقلمندی سے کام لیا سر سجاد۔" فریدی بولا۔

"مگر.... اب! اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔" سر سجاد نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"میری دانست میں تو یہی بہتر ہے کہ آپ خود کو پوشیدہ رکھیں۔ اسی طرح کام کرنے میں انی ہوگی.... اور تم....!" فریدی قیدی کی طرف دیکھ کر خاموش ہو گیا۔

چند لمحے خاموشی رہی پھر فریدی بولا۔ "آپ نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے سر سجاد۔ اگر ب کے ساتھ ہی یہ بھی غائب ہو گیا تو مسئلہ بدستور موجود رہے گا۔ آپ کے نامعلوم دشمن کو کی گمشدگی پر شبہ ہو سکتا ہے کہ آپ محفوظ ہیں لہٰذا وہ اس عمارت کا رخ کرنے کی ہمت نہیں

کرے گا۔ آپ نے غالباً یہ سب کچھ اسی لئے تو کیا تھا کہ اسے بے نقاب کر سکیں۔"

"قطعی! اسی لئے کیا تھا۔ چھپ کر دیکھوں گا کہ وہ کون ہے۔"

"پھر اس کا بھی غائب ہو جانا کہاں تک مناسب ہو گا۔"

"یہی تو سب سے بڑی الجھن تھی اور اسی لئے میں آپ سے ملنا چاہتا تھا۔"

"تو اب آپ اسے الجھن میں مبتلا کر دیجئے۔"

"بھلا وہ کیسے؟"

"اس آدمی کو چھوڑ دیا جائے۔ یہ بدستور اپنے اُسی فلیٹ میں قیام کرے۔"

"لیکن ایک الجھن اور بھی ہے۔ کرنل۔ میں نے اس وقت جو کچھ بھی کیا تھا، بہت جلدی میں کیا تھا۔ بس اس ساری اسکیم کا ایک سایہ میرے ذہن میں آیا تھا اور میں یہ سب کچھ کر گذرا تھا۔ لیکن اب کئی الجھنیں سامنے آگئی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اس نے لاش کے متعلق اسے کوئی ہدایت نہیں دی تھی، پھر لاش کہاں غائب ہو گئی۔"

"یہی چیز تو اسے الجھن میں ڈالنے والی ہو گی سر سجاد۔" فریدی نے کہا۔ "یہ آدمی اسے بتائے گا کہ اس نے آپ کو قتل کر کے لاش خواب گاہ ہی میں چھوڑ دی تھی۔"

"اوہ.... تو وہ لاش کوئی اور وہاں سے لے گیا.... مگر کیوں؟"

سر سجاد نے تشویش کن لہجے میں کہا۔ پھر یک بیک ہنس پڑا۔ "بالکل ٹھیک وہ یقیناً کئی الجھنوں میں پڑ جائے گا۔"

"تو پھر اب تم جاؤ۔" فریدی نے قیدی سے کہا اور وہ ہکا بکا رہ گیا۔

"جاؤ.... مگر احتیاط سے۔ میرا نام فریدی ہے۔ شاید تم نے سنا ہو۔ تم اب میرے لئے کام کرو گے۔ سمجھے اور اس سے بھی بدستور رابطہ قائم رکھو گے۔ اسے شبہ نہ ہونے پائے کہ تم اس کے احکامات کی تعمیل نہیں کر سکے اور ہاں تمہارے پاس وہ تحریریں تو محفوظ ہی ہوں گی جو تمہیں وقتاً فوقتاً اس سے ملتی رہتی ہیں۔"

"اس کا حکم تھا کہ ہر تحریر پڑھنے کے بعد جلادی جائے مگر پھر بھی مَیں نے کچھ بچالی ہیں۔"

"اس عمارت کا وہ نقشہ اس وقت بھی تمہارے پاس ہی ہو گا، جو اس نے بھیجا تھا۔"

"جی ہاں اور تحریر بھی موجود ہے۔ کوٹ کی اندرونی جیب میں۔" قیدی نے کہا۔ لیکن اس

کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار صاف پڑھے جا سکتے تھے۔

حمید نے اس کی جیب سے تہہ کیئے ہوئے کاغذات نکالے اور فریدی کی طرف بڑھا دیئے۔ وہ چند لمحے انہیں بغور دیکھتا رہا پھر جیب میں رکھتا ہوا بولا۔ "اس کے ہاتھ کھول دو۔"

"سس.... سنئے تو جناب۔" وہ ہکلایا۔ "میں اتنا بڑا خطرہ مول لینے پر ہرگز تیار نہیں، اس آزادی پر جیل کو ترجیح دوں گا۔"

"کیوں....؟"

"وہ بہت چالاک آدمی معلوم ہوتا ہے۔ اسے یقینی طور پر صحیح حالات کا علم یا تو ہو چکا ہو گا یا اب ہو جائے گا۔ تو پھر کیا میں زندہ رہ سکوں گا۔"

"تمہاری حفاظت کی جائے گی۔"

"اتنی بڑی سزا نہ دیجئے۔" وہ گھگھیایا۔ جیل میں سکون سے مر تو سکوں گا۔

فریدی نے سر سجاد کی طرف دیکھا اور حمید اپنی پیشانی رگڑنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر فریدی کیا کر رہا ہے۔ وہ ایک ذمہ دار آفیسر تھا نہ کہ ایک فلم ڈائریکٹر۔ سر سجاد سے حماقت سرزد ہوئی تھی کہ اس نے اس حادثے کو کہانی بنانے کی کوشش کی اور اب مزید حماقت یہ ہونے والی تھی کہ اس کہانی کو رومانی ٹچ دینے کے لئے ایک مجرم کو چھوڑا جا رہا تھا۔ آخر کیوں؟ کیا یہ ضروری تھا کہ سر سجاد کی بیان کردہ کہانی پر یقین ہی کر لیا جاتا۔

"چلو یہی سہی!" فریدی کچھ دیر بعد سر ہلا کر بولا۔ "میں تمہاری خواہش ضرور پوری کروں گا لیکن تم اپنا بیان تبدیل نہیں کرو گے۔"

"کون سا بیان۔"

"یہی کہ تم نے سر سجاد کو قتل کر دیا تھا۔ لیکن لاش تم نے وہاں سے نہیں ہٹائی تھی۔"

"پھپھ.... پھانسی....!" قیدی کانپ گیا۔

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم بے داغ بری ہو جاؤ گے۔ میرا وعدہ پتھر کی لکیر کی طرح اٹل ہوتا ہے۔"

"آپ بڑے آدمی ہیں.... مم.... میں جانتا ہوں.... جناب.... مم.... مگر....!"

"پرواہ مت کرو۔" فریدی نے اس کے شانے پر تھپکی دی اور پھر سر سجاد سے بولا۔ "آپ کو

اس وقت تک چھپے رہنا پڑے گا جب تک کہ میں آپ کا ظاہر ہو جانا مناسب نہ سمجھوں۔"

"مجھے منظور ہے۔ لیکن میری حفاظت کی ذمہ داری بھی آپ ہی پر ہو گی۔"

"قطعی.....!" فریدی نے سر ہلا کر کہا اور اسی کی ہدایت پر فی الحال وہ دونوں تہہ خانے میں چلے گئے۔ ان کے جاتے ہی حمید پھوٹ پڑا۔ جتنے بھی شکوک و شبہات اس کے ذہن میں تھے اگل چلا۔ فریدی سکون کے ساتھ سنتا رہا۔

"ہو سکتا ہے کہ مجھ سے حماقت ہی سرزد ہوئی ہو۔" اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ "لیکن سر سجاد سے وہی آدمی یہ عمارت خالی کرانا چاہتا ہے، جو بینک آف کینیڈا کی ڈکیتی کا ذمہ دار ہے۔ کیونکہ جس آدمی کے قتل کی تفتیش میں کر رہا تھا اس نے بھی مجھے ایسی ہی کہانی سنائی تھی اُسے بھی اسی طرح کسی نے پھانسا تھا اور اسے بھی ایک کالے کتے ہی کے ذریعہ پیغامات ملا کرتے تھے۔"

نکل گیا

حمید کو صرف اس احمق لٹیرے کی فکر تھی جس کی زبردستیوں کی رپورٹیں اب بھی مل رہی تھیں، وہ اُسے احمق ہی سمجھتا تھا کیونکہ اس کا طریق کار خود اسی کے لئے بے حد خطرناک تھا لیکن وہ اُس سے کیا فائدہ اٹھاتا تھا؟ کبھی سگرٹیں، کبھی ٹافیاں اور کبھی وزنی پرسوں سے صرف دس یا پانچ کا نوٹ کھینچ لیا۔

اب تو یہ عالم تھا کہ شہر کی اکثر خوش مزاج اور اسمارٹ قسم کی لڑکیاں سر شام ہی اُس کی تلاش میں نکل کھڑی ہوتی تھیں۔ بس وہ ایک اچھا خاصا ہیرو بن کر رہ گیا تھا۔

پہلے پولیس نے اس کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی تھی۔ مگر اب سر سجاد والے کیس کے بعد سے باقاعدہ طور پر اس کی تلاش شروع ہو گئی تھی۔

سر سجاد کے قاتل کی گرفتاری اور فریدی کی واپسی کو ایک ہفتہ گذر چکا تھا۔ اس کی خبر زیادہ تر "کرنل فریدی کی واپسی" کے عنوان سے شائع ہوئی تھی۔ اخبارات کی حاشیہ آرائیوں کا کیا پوچھنا۔ کسی نے کچھ لکھا تھا اور کسی نے کچھ۔ لیکن قیدی کے متعلق فریدی کی رپورٹ میں کوئی افراط تفریط نہیں ہونے پائی تھی۔ رپورٹ کے مطابق اسے سر سجاد کی کوٹھی کے قریب جنگل

سے گرفتار کیا گیا تھا۔ مجرم نے اقبال جرم کرتے ہوئے بتایا تھا کہ لاش اس نے خواب گاہ ہی میں چھوڑی تھی اُسے وہاں سے کس نے ہٹایا تھا؟ اس پر وہ روشنی نہ ڈال سکا۔ اس کے بیان کے ساتھ ہی اس نامعلوم آدمی کی کہانی بھی شائع ہوئی تھی جس نے اُسے حیرت انگیز طور پر ملازم رکھا تھا۔

رضوانہ شہر واپس آگئی تھی۔ اس نے قاتل کا بیان پڑھا تو ایک بار پھر اس پر پہلی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ ابھی تک تو وہ شبہات میں مبتلا رہی تھی اور کیپٹن حمید فریدی کی ہدایت کے مطابق ان شبہات کو مزید تقویت پہنچاتا رہتا تھا۔ لیکن قاتل کے بیان کے بعد سے اسے سنبھالنا دشوار ہو گیا تھا اور یہ دشواری آج بھی حمید کی تقدیر بنی ہوئی تھی۔ یعنی اس کی دیکھ بھال کے فرائض بدستور اسی کے سر تھے۔

مگر وہ اس توقع پر اُسے ساتھ لے کر باہر نکلتا تھا کہ شاید کبھی اس احمق لٹیرے سے مڈبھیڑ ہو جائے۔ رضوانہ اُسے دیکھ چکی تھی اور دوبارہ نظر آنے پر بہ آسانی پہچان سکتی تھی۔

آج بھی اس کے ساتھ باہر نکلنے کا مقصد یہی تھا ورنہ اس روتی ہوئی لڑکی سے حمید کو کیا دلچسپی ہو سکتی تھی، ویسے یہ اور بات ہے کہ وہ اب خود ہی حمید کی تلاش میں رہنے لگی تھی اور حمید کو اس کے کئی امیدواروں کی چڑھی ہوئی تیوریاں برداشت کرنی پڑتی تھیں۔ اُس نے اکثر سوچا تھا کہ کہیں انہیں میں سے کوئی وہی نامعلوم آدمی نہ ہو جس نے سر سجاد پر حملہ کرایا تھا۔

”مجھے ان لوگوں سے وحشت ہوتی ہے۔“ رضوانہ نے کہا۔ وہ گرین اسکوائر سے گذر رہے تھے اور حمید نے انہیں کا تذکرہ چھیڑ دیا تھا۔

”حالانکہ آپ پہلے بھی ان سے ملتی رہی ہیں۔“ حمید نے کہا۔

”ملنا جلنا تو پڑتا ہی ہے۔ آدمی اکیلے تو نہیں رہ سکتا۔“

”تو پھر میں آدمی ہی نہ ہوں گا۔“ حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

”کیوں....؟ کیوں؟“

”میں تنہا رہنا چاہتا ہوں۔“

”تب تو پھر میری وجہ سے آپ کو تکلیف اٹھانی پڑتی ہو گی۔“

”قطعی نہیں! ہم دونوں تنہا ہی تو ہیں۔“ حمید کے لہجے میں بڑی معصومیت تھی۔ اس کے بعد اس نے موضوع سے گریز کرنے کی کوشش کی۔

"میں نے سنا ہے کہ میجر سعید نے کچھ کاروباری الجھنیں پیدا کر دی ہیں۔"

"خدا کے لئے ان کا تذکرہ نہ چھیڑیئے۔ میرے لئے تو الجھنیں ہی الجھنیں ہیں، جنہیں میں اپنے قانونی مشیروں ہی تک محدود رکھنا چاہتی ہوں۔"

حمید نے خاموشی اختیار کر لی اور کار شہر کی مختلف سڑکوں پر دوڑتی رہی۔ رضوانہ خود ہی ڈرائیو کر رہی تھی۔

حمید نے مر جانے کی حد تک بور ہو کر سوچا کتنی انوکھی ڈیوٹی ہے۔ اس ڈیوٹی سے تو کہیں بہتر یہ تھا کہ اسے کسی مردہ بھینس کے ساتھ دفن کر دیا جاتا.... مگر یہ لڑکی.... خدا کی پناہ! نہ تو اُسے تفریحی گفتگو راس آتی تھی اور نہ اُن مسائل سے دلچسپی تھی، جو اس وقت در پیش تھے۔ بس وہ خاموش رہتی تھی اور شاید یہی چاہتی تھی کہ حمید بھی اپنے ہونٹ بند ہی رکھا کرے۔

پھر آخر وہ اس کا پیچھا ہی کیوں نہیں چھوڑ دیتی۔ عالم یہ تھا کہ جہاں حمید کو اس تک پہنچنے میں دیر ہوتی، کال پر کال آنے لگتی۔ بعض اوقات تو وہ جھنجھلا اٹھتا اور ریسیور کریڈل سے نکال کر میز پر ڈال دیتا۔ ایسی صورت میں کچھ دیر بعد وہ گھر ہی پر آدھمکتی۔

فریدی نے آج کل دفتر کی حاضری اس کے لئے غیر ضروری قرار دے رکھی تھی۔

ایسی بور لڑکی کے ساتھ باہر نکلنے سے بہتر تو یہ تھا کہ گھر ہی بیٹھ کر افیون سے دل بہلاتا یا دلبستگی کے لئے دو چار بکریاں پال لیتا.... کبھی کبھی تو یہ سوچنے لگتا کہ آخر اسے اس احمق لٹیرے ہی کی تلاش کیوں ہے؟ جہنم میں جائے۔ خواہ مخواہ ہر معاملے میں ٹانگ اڑائے پھرنے سے کیا فائدہ! جتنا کہا جائے اتنا ہی کرے۔ رہ گئی اس لڑکی کی نگہداشت تو یہ بھی ممکن ہے کہ اسے مورفیا کا انجکشن دے کر کہیں سلا دیا جائے اور خود سرہانے بیٹھ کر ساڑھے تین کو ڈھائی سے ضرب دے کر حاصل ضرب کو پانچ سے تقسیم دے اور خارج قسمت کا عادِ اعظم مشترک معلوم کرنے کی کوشش کرے پھر پانچ جوتے اپنے سر پر لگائے اور گانا شروع کر دے۔

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورت ہوں گی جو پنہاں ہو گئیں

وہ سوچتا رہا اور دل ہی دل میں کھولتا رہا۔ پھر جب یہ الجھن برداشت سے باہر ہو گئی تو اس نے جھلا کر پوچھا آخر اس طرح بھٹکتے پھرنے کا کیا مقصد ہے۔

"شائد کہیں وہ مل جائے۔" رضوانہ نے آہستہ سے جواب دیا۔

"کون....!"

"وہی لٹیرا جس نے اُس رات ہمارے ساتھ کھانا کھایا تھا۔"

"اوہ....!" حمید نے آنکھیں نکالیں۔ "تمہیں اس کی تلاش کیوں ہے؟"

"مجھے یقین نہیں آتا کہ ڈیڈی کے حادثے سے حقیقتاً اُس کا کوئی تعلق ہوگا۔"

"تو اس الو کے پٹھے کے لئے مجھے کیوں نچاتی پھر رہی ہو۔"

"ارے تو اس میں خفا ہونے کی کیا بات ہے! کیا وہ آپ کے لئے دلچسپی سے خالی ہوگا۔"

"میری دلچسپی کے لئے آپ ہی کیا کم ہیں محترمہ....!" حمید کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

"ایک مغموم لڑکی سے اس لہجے میں گفتگو نہ کیجئے۔ اچھا چلئے ہم واپس ہو رہے ہیں۔ میری وجہ سے آپ کو یقیناً بڑی تکلیف ہو رہی ہے۔ ویسے آج کل میرے لئے آپ کا وجود بہت ضروری ہے۔"

"جس طرح صحت کے لئے موبل آئیل اور گریس ضروری ہے۔"

"خدارا ایسی باتیں نہ کیجئے جنہیں سن کر ہنسی آئے۔ بالکل جی نہیں چاہتا ہنسنے کو۔"

"خیر.... ہاں تو آپ میرا وجود اپنے لئے ضروری کیوں سمجھتی ہیں۔"

"آپ کو ساتھ دیکھ کر ہمدردی جتانے والے راستہ کاٹ جاتے ہیں۔ مجھے ہمدردوں سے بڑی نفرت ہے۔"

"لیکن مجھے ساتھ دیکھ کر وہ بھی بھڑکے گا جس سے آپ کو ہمدردی ہے۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"وہی گھامڑ لٹیرا۔"

"آپ غلط سمجھے! مجھے اس سے ہمدردی کیوں ہونے لگی۔ میں تو بس.... ہائیں یہ کیا۔"

حمید چونک پڑا۔ گاڑی کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں داخل ہو رہی تھی۔

"کیوں.... کیا بات ہے۔"

"یہ سرخ بلب کیوں روشن ہے۔"

حمید کو پورچ میں ایک سرخ بلب روشن نظر آیا۔ ابھی شام کے پانچ ہی بجے تھے، چاروں طرف دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔

"تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔"

"کوئی لائبریری میں موجود ہے! کون؟" اُس نے پورچ کے قریب گاڑی روکتے ہوئے کہا۔ آس پاس کوئی ملازم موجود نہیں تھا۔

"یہ سب کم بخت کہاں مر گئے۔" وہ کار سے اترتی ہوئی بڑبڑائی۔

"ذرا ٹھہریئے۔" حمید بولا۔ "بھلا اس سرخ بلب کا کسی کے لائبریری میں موجود ہونے سے کیا تعلق....!"

"ڈیڈی مطالعہ کے اوقات میں کسی قسم کی بھی دخل اندازی پسند نہیں کرتے تھے۔ یہ سرخ بلب یہاں دراصل اس لئے لگایا گیا تھا کہ ملازمین بھی باخبر رہ سکیں کہ وہ اس وقت لائبریری میں ہیں، لہٰذا اگر کوئی اُن سے ملنا چاہے تو وہ اُسے یہ کہہ کر ٹال دیں کہ ڈیڈی گھر ہی پر موجود نہیں ہیں۔"

"ہو سکتا ہے کسی ملازم کو مطالعہ کا شوق چرایا ہو۔"

"ناممکن! ملازمین میں سے کوئی بھی پڑھا لکھا نہیں! مگر آخر یہ سب گئے کہاں۔"

"ممکن ہے سبھی لائبریری میں موجود ہوں۔ لیکن ان سے سرخ بلب روشن کرنے کی حماقت کیوں سرزد ہوئی۔" حمید بولا۔

"ڈیڈی کی مخصوص میز کے لیمپ کا سوئچ آن کرنے سے یہ سرخ بلب بھی روشن ہو جاتا ہے۔ اگر وہ کوئی نوکر ہی ہے تو بُری طرح خبر لوں گی! بہ آہستگی آیئے۔"

اُس نے نوکروں کو آوازیں نہیں دیں ورنہ پہلے تو ایسا ہی معلوم ہوا تھا۔ جیسے اُن کے نام لے لے کر پکارنا شروع کر دے گی۔

اندر سناٹا ہی سناٹا تھا۔ کہیں بھی کوئی نہ دکھائی دیا۔ حالانکہ حمید کو وہاں پانچ یا چھ ملازموں کی موجودگی کا علم تھا۔ وہ بے پاؤں راہداریوں سے گذرتے رہے! آخر وہ ایک جگہ رک گئی! جس دروازے کے سامنے رکی تھی وہ بند تھا۔ حمید نے آگے بڑھ کر اس پر ٹھوکر لگائی۔ دونوں پاٹ آواز کے ساتھ کھلے اور سامنے ہی ایک آدمی اچھل پڑا.... وہ ایک میز پر جھکا ہوا تھا۔

"ارے....؟" رضوانہ بھی اس کے ساتھ ہی اچھل پڑی۔

حمید چپ چاپ اس آدمی کو گھورتا رہا، جواب میز سے ٹک کر کھڑا ہو گیا تھا اور دونوں ہاتھ

سینے پر باندھ لئے تھے، وہ یہاں کے ملازموں میں سے تو ہر گز نہیں تھا۔

"یہ.... یہ تو.... وہی لٹیرا ہے۔" رضوانہ سنبھالا لے کر آہستہ سے بڑبڑائی۔ ساتھ ہی اجنبی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی پھیل گئی۔ شرارت آمیز مسکراہٹ! جیسے وہ انہیں چڑا رہا ہو۔

حمید اس وقت غیر مسلح تھا۔ اس لئے اس فکر میں پڑ گیا کہ کسی نہ کسی طرح اس پر ہاتھ ڈال ہی دے۔ لیکن اگر وہ غیر مسلح نہ ہوا تو؟ اُس کی جیب خالی نہ ہوگی۔ کیونکہ اس نے ایک عمارت میں غیر قانونی طور پر داخل ہونے کی ہمت کی تھی۔ نہتے لوگ اس کی جرأت کم ہی کرتے ہیں۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو۔" دفعتاً رضوانہ نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔ "میرے نوکر کہاں ہیں۔"

"میں مطالعہ کر رہا ہوں۔" پرسکون لہجے میں جواب دیا گیا۔ "اور وہ باورچی خانے میں سو رہے ہوں گے، شریف بچوں کی طرح! بات یہ ہے کہ میں مطالعہ کے دوران شور و غل برداشت کرنے کا عادی نہیں ہوں۔"

"تمہارا دماغ صحیح ہے یا نہیں۔ کیا یہ تمہارے باپ کا گھر ہے۔"

"تمہارے ہی باپ کا سہی۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔"

"تم ڈیڈی کے قاتل ہو.... قاتل۔" وہ آنکھیں نکال کر بولی۔

"کس ڈیڈی کی بات کر رہی ہو.... اوہ شائد میں پہلے بھی کہیں تمہیں دیکھ چکا ہوں۔ یاد نہیں پڑتا کہاں۔"

"سر سجاد کے قتل کی سازش میں تم بھی شریک رہے ہو۔" حمید بولا۔

اس پر لٹیرے نے بڑی فراخدلی سے ایک طویل قہقہہ لگایا اور پھر بولا۔ "سر سجاد! اوہ اب یاد آیا۔ ہاں شاید ایک ہفتہ پہلے کی بات ہے کہ میں نے تارجام میں تم لوگوں کے ساتھ کھانا کھایا تھا۔ مگر سر سجاد کا قاتل تو جیل میں ہے۔"

"اور اُسے تم نے ہی اکسایا تھا۔"

"اس کی ضرورت مسٹر عقلمند۔" وہ تضحیک آمیز لہجے میں بولا۔ "کیا میں اُسے کھانے کی میز پر قتل کر کے فرار نہیں ہو سکتا۔ یہ بھی محض اتفاق ہی ہے کہ وہ اُسی رات کو قتل کر دیا گیا۔ لیکن لاش کہاں گئی مسٹر عقلمند۔"

"بکواس مت کرو۔ تم زیرِ حراست ہو۔"

"یہ بڑی دلچسپ اطلاع ہے۔ مگر میں شاعر نہیں ہوں مسٹر عقلمند کہ زلفیں مجھے اسیر کر سکیں، ویسے میں جانتا ہوں کہ تمہاری جیب خالی ہے اور میری جیب میں اعشاریہ دو پانچ کا ننھا سا کھلونا موجود ہے۔"

حمید کوشش کر رہا تھا کہ اُسے غصہ نہ آنے پائے، ورنہ یہ آدمی تو شاید اسی فکر میں تھا کہ کسی طرح اُسے جذباتی طور پر غیر متوازن کر کے نکل بھاگنے میں کامیاب ہو جائے۔ اُس کے لہجے کی شوخی حقیقتاً اُسے غصہ دلا رہی تھی۔

"آج تم بچ کر نہیں جاسکتے۔" حمید زہر خند کے ساتھ بولا۔

"یہ شائد تیر نظر کے بل بوتے پر کہہ رہے ہو۔" اجنبی نے پھر قہقہہ لگایا۔ اس پر حمید نے جھلاہٹ میں اس پر چھلانگ لگائی، لیکن بڑی صفائی سے میز سے جا ٹکرایا۔ جتنی دیر میں مڑتا اجنبی راہداری میں نظر آیا۔ اس نے بڑی بیدردی سے رضوانہ کو بھی دھکا دیا تھا اور وہ ایک طرف لڑھک گئی تھی۔

پھر دونوں کے سنبھلنے سے پہلے ہی دروازہ باہر سے بولٹ کر دیا گیا۔ حمید دوسرے دروازے کی طرف جھپٹا۔ تیزی سے ہینڈل گھما کر اسے کھولنا چاہا لیکن وہ شاید پہلے ہی مقفل تھا۔

دونوں دروازے پیٹے جانے لگے، لیکن کہیں سے بھی جواب نہ ملا۔ اجنبی تو انہیں پہلے ہی اطلاع دے چکا تھا کہ سارے نوکر باورچی خانے میں سو رہے ہوں گے۔

رضوانہ نے بتایا کہ وہ شام کی چائے باورچی خانے ہی میں پیتے تھے۔

"تو پھر کیا اب دروازہ توڑنا پڑے گا۔" حمید نے غصے کو دبانے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔ اس قسم کی ہزیمت اُسے پہلی بار اٹھانی پڑی تھی۔ پتہ نہیں وہ گوشت پوست کا آدمی تھا یا برقی نظام سے متحرک ہونے والی کوئی مشین۔

رضوانہ کچھ نہ بولی۔ وہ خاموشی سے ایک جانب گھورے جا رہی تھی۔

❁

رات تاریک تھی اور جنگل سائیں سائیں کر رہا تھا۔ مطلع غبار آلود ہونے کی وجہ سے ستارے بھی بے جان سے نظر آ رہے تھے۔

سر سجاد کی تار جام والی کوٹھی اندھیرے میں نہائی کھڑی تھی۔ شاید اب وہاں کوئی ملازم بھی نہیں تھا۔ ورنہ کسی نہ کسی حصے میں روشنی تو ضرور ہی نظر آتی۔

سردی شباب پر تھی۔ اندھیرا پھیلتے ہی سارجنٹ طاہر اور سارجنٹ زیدی عمارت سے ملحقہ باغ کے دو مختلف گوشوں میں جا چھپے تھے۔ آج ہی ایسا نہیں ہوا تھا۔ ہر رات کوٹھی کی نگرانی کی جاتی تھی۔ اس کا سلسلہ تو اسی رات سے شروع ہو گیا تھا، جب غیر متوقع طور پر سر سجاد اپنی کوٹھی کے تہہ خانے سے زندہ بر آمد ہوا تھا۔

طاہر اور زیدی اسمارٹ قسم کے آفیسروں میں سے تھے اور ان کی تربیت زیادہ تر فریدی ہی کے ہاتھوں ہوئی تھی۔

زیدی نے ٹھیک ڈیڑھ بجے کسی کو کمپاؤنڈ میں داخل ہوتے دیکھا۔ وہ ایک متحرک سایہ تھا، جو کبھی کبھی ساکن بھی نظر آنے لگتا۔

زیدی تیزی سے آگے بڑھا۔ وہ جھک کر چل رہا تھا۔ مقصد ایسی پوزیشن میں آجانا تھا کہ وہ اس پر برابر نظر رکھ سکے۔

فریدی سے ملی ہوئی ہدایات کے مطابق انہیں صرف یہ دیکھنا تھا کہ کوئی چھپ کر عمارت میں داخل ہونے کی کوشش تو نہیں کرتا۔ یعنی انہیں صرف اس کی نقل و حرکت ہی پر نظر رکھنی تھی۔
زیدی کو یقین تھا کہ طاہر نے بھی اُسے دیکھ ہی لیا ہوگا۔ سایہ عمارت کی طرف بڑھتا رہا۔ اب اس کا انداز ٹہلنے کا سا تھا۔ زیدی کچھ اور آگے بڑھ آیا۔

یک بیک وہ اچھل پڑا کیونکہ اس نے اپنی پشت پر ہلکی سی غراہٹ سنی تھی۔

پھر کوئی سیاہ سی چیز اچھل کر اُس پر آرہی۔ یہ ایک قد آور کتا تھا۔ زیدی نے اُس کے اگلے پنجے پکڑ لئے تھے۔ لیکن ہر لحظہ خدشہ تھا کہ اب زمین ہی دیکھنی پڑے گی۔ وہ خود کو اس کے دانتوں سے بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔

کچھ دور پر اُس نے کسی دوسرے کتے کی آواز بھی سنی تھی لیکن اُسے اتنا ہوش کہاں تھا کہ طاہر کے متعلق بھی کچھ سوچ سکتا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ محض واہمہ رہا ہو۔

اس جدوجہد کے دوران وہ توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ کتے کے پنجے اب بھی اس کی گرفت ہی میں تھے اس لئے گرتے گرتے پوری قوت سے اُسے دوسری طرف اچھال دینے میں کامیاب ہو گیا۔ پھر اگر اس سے ذرا سی بھی غفلت ہوئی ہوتی تو اس کی گردن یقینی طور پر کتے کے جبڑوں میں نظر آتی وہ نہ صرف پھرتی سے اٹھا تھا بلکہ ہولسٹر سے ریوالور کھینچ لینے میں بھی کامیاب ہو گیا تھا۔

یک بیک باغ کے کسی گوشے سے سیٹی کی آواز آئی اور اُسی وقت زیدی نے فائر بھی کیا۔ لیکن کتا شاید سیٹی ہی کی آواز پر پلٹ گیا تھا اس لئے وار خالی گیا۔ پھر وہ دوسرا فائر نہ کر سکا۔ کیونکہ کتا قریبی جھاڑیوں میں گھس کر نظروں سے غائب ہو چکا تھا۔

چند لمحے وہ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ تا رہا پھر چونک کر اُس جانب بڑھا جہاں طاہر کے ملنے کی توقع تھی۔

وہ سایہ تو کبھی کا غائب ہو چکا تھا جس کے ساتھ ہی کتا بھی نازل ہوا تھا۔

سناٹے میں وہ اپنے ہی قدموں کی آوازیں سنتا رہا۔

"طاہر....!" اس نے کچھ دور چل کر آہستہ سے آواز دی۔ لیکن جواب نہ ملا۔ اب وہ ٹارچ روشن کرنے پر مجبور ہو گیا۔ لیکن یہ محدود روشنی والی ٹارچ تھی۔ اس نے اُن تمام جگہوں کو دیکھ ڈالا جہاں وہ پچھلی راتوں میں چھپے رہے تھے۔ لیکن طاہر کا سراغ نہ ملا۔ پھر وہ ان جھاڑیوں کی طرف پلٹا جہاں اپنی موٹر سائیکل چھوڑی تھی۔

"زیدی....!" کسی نے اُسے آواز دی اور وہ اچھل پڑا۔ آواز طاہر ہی کی تھی لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ آواز گھٹتی ہوئی سانس کے ساتھ ایک پل کے لئے آزاد ہوئی ہو۔

خطرے کا احساس ہوتے ہی اس نے ہوا میں فائر کیا اور شور مچاتا ہوا آواز کی طرف دوڑا۔

"ہاں.... میں آ رہا ہوں.... جانے نہ پائے۔"

"احمق ٹھہرو....!" اس بار آواز پر سکون تھی۔ زیدی ایک جھٹکے کے ساتھ رک گیا۔ آنے والا قریب پہنچ کر بولا۔ "یہ کیا کرتے پھر رہے ہو۔"

"اُوہ.... جناب۔ وہ نکل گیا۔" زیدی ہانپتا ہوا بولا۔ "طاہر خطرے میں ہے۔ اپنی آستین چھوڑ کر بھاگ گیا اور میں نے غلطی سے اُسی بیچارے کی گردن پکڑ لی تھی۔"

"کیا اُس پر کتے نے حملہ نہیں کیا تھا جناب۔"

"نہیں۔!" کرنل فریدی نے جواب دیا۔

مدد کی طالب

"اور پھر ہم اُسی وقت کمرے سے نکل سکے تھے، جب نوکروں کو ہوش آیا تھا۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ فریدی کچھ سوچ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد مسکرا کر بولا۔ "تو تمہیں اس کی زیارت نصیب ہو ہی گئی۔ میں تو آج تک بھٹکتا پھر رہا ہوں۔"

"مجھے شبہ ہے کہ لڑکی اسے بہت پہلے سے جانتی ہے۔"

"شبہے کی وجہ۔"

"وہ یا تو اس کے کسی امیدوار کے لئے کام کر رہا ہے یا خود ہی امیدوار ہے۔ سر سجاد اُس کے گرد مردوں کی بھیڑ دیکھنا پسند نہیں کرتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ خود ہی اس کے لئے شوہر کا انتخاب کرے گا۔ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ رضوانہ نے راستہ صاف کرنے کے لئے یہ سب کچھ خود ہی کر ڈالا ہو۔ وہ لڑکی میری سمجھ سے باہر ہے۔"

"اس پر منحصر نہیں۔ آج تک کوئی لڑکی تمہاری سمجھ میں نہیں آسکی ورنہ تم بھی ڈیڈی بن گئے ہوتے۔"

"بہر حال اب آپ مجھے ڈیڈی کے طور پر کسی اندھے کنویں میں الٹا لٹکا دیجئے، مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ لیکن یہ ڈیوٹی میرے بس سے باہر ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر اس کی نگہداشت کی فکر آپ کو کیوں پڑ گئی ہے۔"

"سر سجاد مر تو نہیں گیا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اس کا دھیان بنائے رکھو۔"

"ارے وہ میرا ہی دھیان اس طرح بنا کر رکھ دے گی کہ میں در و دیوار سے ٹکراتا پھروں گا۔"

یک بیک فون کی گھنٹی بجی اور فریدی نے اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو.... ہاں.... ہاں.... ٹھیک ہے.... گڈ.... فکر نہ کرو۔ میں آرہا ہوں.... اچھا۔"

ریسیور رکھ کر وہ حمید کی طرف مڑا۔ "چلو شائد آج میں تمہیں ایک ایسی لڑکی سے بھی ملا سکوں جو بہت جلد تمہاری سمجھ میں آجائے گی۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد لنکن کمپاؤنڈ سے باہر نکل رہی تھی۔ فریدی نے یہ نہیں بتایا تھا کہ جانا کہاں ہوگا۔ حمید نے پوچھا بھی نہیں۔

"پچھلی رات خاصا لطیفہ رہا۔" کچھ دیر بعد اس نے کہا۔

حمید اب بھی کچھ نہ بولا۔ فریدی نے کہا۔ "کیوں کیا ہو گیا تمہیں۔"

"سر سجاد ہو گیا ہے مجھے۔" حمید غرایا۔

"اگر تمہاری یہ غراہٹ زیدی سن پائے تو شاید یہی سمجھے کہ پھر گردن دبائی کتے نے۔"

"کیا مطلب....!" حمید چونک پڑا۔ وہ جانتا تھا کہ زیدی اور طاہر سر سجاد کی تار جام والی کوٹھی کی نگرانی کرتے ہیں۔

"پچھلی رات ایک کتے نے اس کی گردن دبائی تھی۔ وہ آدمی بہت چالاک ہے۔ یہ اندازہ کرنے کے لئے کہ کوئی باغ میں موجود تو نہیں ہے۔ کتا بھی ساتھ لایا تھا۔ جیسے ہی کتا زیدی پر جھپٹا وہ ہوشیار ہو گیا۔ لیکن طاہر بھی اُسے دیکھ چکا تھا۔ میں دیر سے پہنچا۔ طاہر نے کوشش کی تھی کہ اُسے پکڑ لے، شاید ایک ہاتھ اُس کی گرفت میں آ بھی گیا تھا لیکن پھر آستین ہی گرفت میں رہ گئی اور وہ نکل گیا۔"

"یہ کیسے ہوا۔"

"آستین پر آستین چڑھا رکھی تھی جس کا کپڑا غیر معمولی طور پر چکنا تھا۔ شاید اُسی آستین پر اس کا ہاتھ پڑا تھا۔"

"بس تو اب وہ گیا ہاتھ سے۔ شائد کوٹھی کا رخ بھی نہ کرے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔"

"آپ کی دانست میں وہ کوٹھی کیوں خالی کرانا چاہتا ہے۔"

"کیوں خالی کرانا چاہتا ہے۔" فریدی نے حیرت سے دہرایا۔ پھر بولا۔ "ارے وہ تو زیادہ تر خالی ہی پڑی رہتی ہے۔ خالی نہیں کرانا چاہتا بلکہ اس پر سر سجاد کا مالکانہ قبضہ پسند نہیں کرتا۔"

"گویا.... وہ اُسے خریدنا چاہتا ہے۔ تو کیا اس کے لئے اُسے سامنے نہ آنا پڑے گا۔ سر سجاد اس کی شخصیت سے واقف نہ ہو جائے گا۔"

"کیا اُس کا بیان یاد نہیں۔ سر سجاد کے کچھ ایسے راز بھی اُسے معلوم ہیں جن کی بناء پر وہ انہیں بلیک میل بھی کر سکتا ہے۔ اس نے یہی اندازہ لگایا ہو گا کہ اس کی شخصیت ظاہر ہو جانے کے باوجود بھی سر سجاد اپنی زبان بند ہی رکھے گا۔ اس کا یہ اندازہ غلط بھی نہیں تھا۔ جب تک سر سجاد

پر قاتلانہ حملہ نہیں ہوا۔اس نے زبان نہیں کھولی۔"

"لیکن وہ تو اس کی بلیک میلنگ کی دھمکی سے بھی مرعوب نہیں ہوا تھا۔"

"نہ ہوا ہو۔مگر کیا اس نے وہ راز ہمیں بھی بتادیا ہے جس کی بناء پر کوئی اسے بلیک میلنگ کی دھمکی دے سکے۔"

"نہیں.....!"

"تو اس کا یہی مطلب تو ہوا نا کہ وہ اس کا ظاہر ہو جانا پسند نہیں کرتا۔ یہ بات وہ آدمی بھی سمجھتا ہو گا کہ سر سجاد مرعوب ہوا ہو یا نہ ہوا ہو لیکن وہ اس راز کے حوالے سے پولیس کو متوجہ کرنے کی ہمت نہ کر سکے گا۔"

"ہوں! مگر اُسے قتل کرا دینے سے اس مسئلے کا حل نکل سکتا ہے۔"

"کیوں نہیں!..... کیا یہ ضروری ہے کہ یہ عمارت رضوانہ کو بھی پسند ہو اور پھر اس حادثے کے بعد تو وہ اس سے اور زیادہ بیزار ہو گئی ہو گی۔ میرا خیال ہے کہ وہ تو اسے بہت سستے داموں پر فروخت کرنے سے بھی گریز نہیں کرے گی۔ایک بات اور بھی ذہن نشین کرلو۔یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ یہ قاتلانہ حملہ اسی آدمی کی طرف سے ہوا ہو جو اس عمارت کو اُس سے خریدنا چاہتا تھا۔"

"کیا بات ہوئی۔"

"سر سجاد کے پاس بھی اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے! چونکہ ایک بار اسے کسی نامعلوم آدمی کی طرف سے قتل کر دینے کی دھمکی مل چکی تھی اس لئے اس موقعہ پر اس کی طرف خیال ضرور جائے گا۔"

"تو پھر ہم کس کے پیچھے ہیں۔"

"اس کے..... جو کینیڈا بینک کی ڈکیتی کا ذمہ دار ہے۔ میں پہلے بھی تمہیں بتا چکا ہوں کہ حملہ آور نے ملازم رکھنے کے جس طریقہ کا تذکرہ کیا تھا وہی طریقہ وہ آدمی بھی اختیار کرتا ہے۔"

"اور وہی آدمی بعض نامعلوم وجوہ کی بناء پر اُس عمارت میں بھی دلچسپی لے رہا ہے۔"

"اس کے بارے میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ہو سکتا ہے کہ سر سجاد کو قتل کرا دینے کی کوئی اور وجہ بھی ہو۔"

"آہا ٹھہریئے..... وہ تو ہوشیار ہو ہی گیا ہو گا۔ ظاہر ہے کہ سر سجاد زندہ ہے۔وہ سوچے گا کہ

قتل تو اس نے کرایا مگر لاش کس نے غائب کر دی! نہیں جناب وہ اتنا بدھو تو نہیں ہو سکتا۔ معمولی ذہانت کا آدمی بھی ایسے حالات میں یہ ضرور سوچے گا کہ کہیں اس کے لئے جال تو نہیں بچھایا گیا۔ آپ خود سوچئے۔"

"لیکن اس کے باوجود بھی وہ پچھلی رات اس عمارت کے آس پاس پایا گیا تھا۔"

"کمال ہے۔" حمید نے پلکیں جھپکائیں۔ "آپ کسی دوسرے آدمی کے امکانات کی بھی بات کرتے ہیں اور پھر اس کی طرف سے آنکھیں بھی بند کر لیتے ہیں۔ ابھی آپ نے کہا تھا کہ ممکن ہے قاتل وہ نہ رہا ہو جس نے قتل کی دھمکی دی تھی۔ یعنی وہی آدمی جو عمارت خریدنا چاہتا تھا۔ ہو سکتا ہے پچھلی رات وہی رہا ہو۔"

"وہ آدمی بھی اس عمارت میں دلچسپی لے سکتا ہے جس نے سر سجاد پر قاتلانہ حملہ کرایا تھا۔ کیا وہ یہ معلوم کرنے کے لئے بے چین نہ ہو گا کہ لاش کس نے غائب کرائی.... اور کیوں؟"

"قدرتی بات ہے۔"

"بس تو پھر وہ محتاط ہو جانے کے باوجود بھی غلطیاں کرے گا۔ اگر وہ اُسے کسی قسم کا جال سمجھا ہے تب بھی یہ ضرور معلوم کرنا چاہے گا کہ یہ جال پولیس نے بچھایا ہے یا کسی....!"

فریدی جملہ ادھورا ہی چھوڑ کر خاموش ہو گیا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ حمید نے محسوس کیا جیسے وہ اب اس مسئلے پر گفتگو ہی نہیں کرنا چاہتا۔

"آپ نے میجر سعید کو بھی چیک کیا یا نہیں۔"

"ہاں.... آں۔ اور تمہیں یہ سن کر خوشی ہو گی کہ وہ کتوں کا بڑا اچھا ٹریز بھی ہے۔ اس کے پاس کئی اچھی نسل کے کتے بھی ہیں لیکن تم اس کے یہاں سے کوئی ایسا کتا بر آمد نہیں کر سکو گے جس کا رنگ سیاہ ہو۔"

"اُوہ.... تو آپ شبہ کر رہے ہیں اُس پر۔"

"کسی کیس کے دوران میں صرف شبہات ہی حقیقت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اور سنو میجر سعید کا ماضی بھی داغدار ہے۔ ابھی تک یہ بات پایہ ثبوت کو نہیں پہنچ سکی کہ اُس نے کبھی فوج میں ملازمت کی ہو۔"

"اور اس غلط بیانی کے باوجود بھی وہ آزادانہ زندگی بسر کر رہا ہے۔"

"کوئی شبہ بھی نہیں کر سکتا کہ اس کا تعلق فوج سے نہ رہا ہوگا۔ یہ تو میری دریافت ہے۔"

"پھر ادھر اُدھر جھک مارتے پھرنے کی کیا ضرورت ہے، اسی پر نظر رکھی جائے۔"

"ادھر اُدھر جھک مارے بغیر اُس کے خلاف ثبوت نہیں بہم پہنچائے جا سکتے۔"

"تو خصوصیت سے اُسی پر نظر ہے۔"

"نہیں.... اور بھی ہیں۔ تمہارا یہ مشورہ بھی قبول کر لیا گیا ہے کہ رضوانہ کے امیدواروں پر بھی نظر رکھی جائے۔ لیکن بنیادی چیز ہے کینیڈا بینک کی ڈکیتی۔ سر سجاد کا قتل نہیں۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر حمید نے پوچھا۔ "ہم کہاں جا رہے ہیں۔"

"فی الحال دولت آباد کا ایک ریستوران منزل ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ اس کے کچھ نہ کچھ آدمی یقینی طور پر آپ کی نظروں میں ہیں۔"

"تمہارا خیال غلط نہیں ہے۔"

"تو پھر وہ بھی اُسی طرح ختم کر دیئے جائیں گے جیسے آپ کو ڈکیتی کی اطلاع دینے والا ختم کیا گیا تھا۔"

"اگر اب تک ختم نہیں کئے گئے تو تم اسے کیا سمجھو گے؟"

"یہی کہ وہ نہیں سمجھتا کہ آپ اُن کے ذریعہ اس تک پہنچ سکیں گے۔"

"پھر اس آدمی کے قتل کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔"

"اوہ.... وہ شاید اُس تک پہنچنے میں مدد دے سکتا؟" حمید بولا۔

"ہو سکتا ہے کہ یہ خیال بھی درست ہی ثابت ہو۔" فریدی نے کہا اور پھر کسی سوچ میں پڑ گیا۔

"سر سجاد کہاں ہے۔" حمید نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

"شہر ہی والی کوٹھی میں۔"

"میں نے تو نہیں دیکھا۔"

"ابھی حال ہی میں رضوانہ نے ایک نیا ملازم رکھا ہے۔" فریدی مسکرایا۔ "ظاہر ہے کہ تم ملازمین کو کیوں گھورنے لگے۔"

"ملازم....!" حمید آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا۔

"ہاں.... آں! اس نے کہا تھا کہ وہ رضوانہ سے قریب ہی رہنا چاہتا ہے، اس لئے مجھے اس کے چہرے پر خاصی محنت کرنی پڑی تھی۔ تم اسے قریب سے دیکھنے پر بھی پہچان نہ سکو گے۔"

"آخر وہ رضوانہ پر خود کو ظاہر کیوں نہیں کر دیتا۔"

"اس صورت میں وہ مغموم نہ رہ سکے گی۔ سر سجاد خود ہی اس پر آمادہ نہیں ہوا تھا۔ ایک بار پھر سن لو کہ میں نے یہ دردِ سر محض اس آدمی کے لئے مول لیا ہے جو بینک آف کینیڈا کی ڈکیتی کا ذمہ دار ہے۔"

''اس سلسلے میں یہ ضرور سوچنا پڑے گا کہ وہ سر سجاد سے کیوں پر خاش رکھتا ہے.... آہا ٹھہریئے.... دیکھئے.... آپ ایسا کیوں نہیں کرتے! سر سجاد تو بظاہر مر ہی چکا ہے، اب اس عمارت کو فروخت کرنے کی کوشش کیوں نہ کی جائے! بلکہ طریق کار کی حیثیت سے نیلام زیادہ سود مند ثابت ہوگا۔ سب سے اونچی بولی لگانے والے پر نظر رکھی جائے۔"

"احمقانہ خیال ہے۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ خود ہی بولی لگانے دوڑا آئے گا جب کہ اس کا پورا گروہ اس کام کے لئے موجود ہے۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔ پھر کیا صورت ہو سکے گی۔"

"چھوڑو.... " فریدی گاڑی کی رفتار کم کر کے اسے فٹ پاتھ سے لگاتا ہوا بولا۔ "بس اتر جاؤ، وہ سامنے ہے لکی بار اینڈ ریستوران! کاؤنٹر پر تمہیں ایک ایسی ہی لڑکی نظر آئے گی جسے دیکھ کر جی خوش ہو جائے گا۔ اس سے دوستی پیدا کرنے کی کوشش کرو۔"

"اگر اسی طرح ڈیوٹیاں بدلتی رہیں تو پھر مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" حمید خوش ہو کر گاڑی سے اترتا ہوا بولا۔

فریدی نے کچھ کہے بغیر گاڑی آگے بڑھا دی۔ حمید چند لمحے وہیں کھڑا ریستوران کے سائین بورڈ کو گھورتا رہا پھر آہستہ سے آگے بڑھا۔

وہ جیسے ہی ریستوران میں داخل ہوا اس کی کھوپڑی ناچ گئی۔ کیونکہ کاؤنٹر پر اُسے ایک بدشکل بوڑھی عورت کے علاوہ اور کوئی بھی نہیں دکھائی دیا تھا۔

اُس نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر دل ہی دل میں فریدی کو ہزاروں سنائیں اور پھر یک بیک تہیہ کیا کہ اب اسے زچ ہی کر ڈالے گا۔ اگر اس بوڑھی عورت سے والہانہ عشق کر کے

سارے شہر میں بدنام نہ ہوا تو کچھ بھی نہ کیا۔

لڑکی نے اسے دور سے دیکھا تھا اور پھر اپنی رفتار اتنی تیز کر دی تھی کہ ذرا ہی سی دیر میں ہانپ کر رہ گئی۔ لیکن بالآخر اس تک پہنچ کر ہی دم لیا۔ وہ ایک چھوٹے سے کیفے میں داخل ہو رہا تھا۔ وہ ایسا ہی معمولی سا کیفے تھا جہاں اُس جیسی ٹپ ٹاپ لڑکیاں جھانکنا بھی پسند نہ کرتیں۔ مگر وہ درانہ اندر چلی گئی۔ نہ جانے کتنی تحیر زدہ سی نظریں اس کی طرف اٹھی تھیں۔ لیکن وہ ماحول سے بے پرواہ اس کے پیچھے بڑھتی رہی۔ اس نے ایک خالی میز منتخب کی اور بیٹھنے بھی نہیں پایا تھا کہ دوسری طرف پہنچ کر لڑکی نے بھی کرسی کھسکائی اور وہ چونک کر اسے گھورنے لگا۔

لڑکی مسکرائی اور چپ چاپ بیٹھ گئی۔ وہ اُسے دیکھے جا رہا تھا۔

"یہاں میں تمہاری جیب کاٹوں گی۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"اوہ....!" وہ بھی جواباً مسکرایا۔

"بلاؤں پولیس کو۔ سامنے ہی ڈیوٹی کانسٹیبل موجود ہے۔"

"بلالو....!" اجنبی نے لاپروائی سے کہا۔ گفتگو اتنی آہستگی سے ہو رہی تھی کہ آس پاس والے آوازیں تو سن سکتے لیکن کچھ سمجھ نہ سکتے۔

"تین چار دن ہوئے تم نے میرے پرس سے ٹافیاں نکالی تھیں۔" لڑکی نے کہا۔

"میں تمہارے جسم سے روح نکال سکتا ہوں۔ لیکن مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"ہوں.... شاید اسی لئے تمہارا نام ایک قتل کے سلسلے میں لیا جا رہا ہے۔" لڑکی کی مسکراہٹ زہر آلود ہوتے ہوئے بھی خاصی دلکش تھی۔

"بکواس ہے۔ میں نے اس کی میز پر کھانا ضرور کھایا لیکن.... قتل! ارے قتل تو میں اسے اس وقت بھی کر سکتا تھا جب پیٹ بھر کر رخصت ہو رہا تھا۔"

"مگر نام تو لیا جا رہا ہے۔ پولیس تمہاری تلاش میں ہے۔"

"پولیس میری جیب میں رکھی رہتی ہے۔ چلو چائے منگواؤ میرے پیسے بچے۔"

لڑکی نے بیرے کو اشارے سے بلا کر چائے کے لئے کہا اور لٹیرے کی طرف دیکھ دیکھ کر مسکراتی رہی۔

''اس مسکراہٹ کا مطلب.....!'' وہ اسے گھورتا ہوا بولا۔ ''اوہ.... سمجھا تم شاید پولیس سے تعلق رکھتی ہو۔ مگر یاد رکھو کہ مجھے زندہ گرفتار کرنے والا آج تک پیدا ہونے کی کوشش تو کررہا ہے لیکن ہو نہیں چکتا۔''

''بڑے جیالے ہو۔''

''دیکھ ہی رہی ہو کہ اس شہر پر میرا راج ہے۔''

''ہاں دیکھ رہی ہوں! کیا تمہاری پشت پر کوئی قوت ہے۔''

''میں خود ہی ایک بہت بڑی قوت ہوں لڑکی! تم میری توہین کررہی ہو۔''

''تم آخر خود کو خطرات میں کیوں ڈالتے ہو جبکہ کوئی بڑا فائدہ بھی نہیں اٹھاتے۔''

''کھانا ہضم کرنے کے لئے میں خود کو خطرات میں ڈالنے کا عادی ہوچکا ہوں۔ کھانے کے بعد چہل قدمی کرنے والے تمہاری نظروں سے بھی گزرے ہوں گے۔ مقصد کھانا ہضم کرنا ہوتا ہے اسی طرح خطرات میں پڑنا ہی میری تندرستی کا ضامن ہے۔''

''ہاں.... اتنا تندرست تو ہونا ہی چاہئے کہ پھانسی کا پھندا بہ آسانی لگ سکے۔''

''کیا میں تمہیں اٹھا کر باہر پھینک دوں۔'' وہ غصیلے لہجے میں بولا۔

''کیا فائدہ ہوگا اس سے؟''

''تیسری بار ملاقات نہ ہوسکے گی۔ میں اسے پسند نہیں کرتا کہ کسی سے دوسری ملاقات بھی ہو۔''

''اگر دوسری یا تیسری بار برس میں صرف ٹافیاں ہی ٹافیاں ہوں تو۔''

ویٹر چائے لایا اور وہ خاموش ہوگئے۔ لوگ اب بھی اُن دونوں کو گھورے جارہے تھے۔

لڑکی نے پیالیاں سیدھی کیں اور چائے بنانے لگی۔ لٹیرے نے سگریٹ سلگاتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ ''میں صرف ایک چمچہ شکر پیتا ہوں۔''

''عادتیں تو شریفوں ہی کی سی ہیں۔'' لڑکی بولی۔

''تم میرا مضحکہ اڑا رہی ہو۔ کہیں میں تھپڑ نہ رسید کردوں۔''

''یہ ہوئی کمینہ پن کی بات! ویسے میں بھی تمہاری ہی طرح کریک ہوں۔ تھپڑ کھانے کے بعد شاید میں تمہارے سر پر چائے دانی توڑ دوں۔''

''اوہو.... کیا واقعی۔'' لٹیرے نے اُسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھ کر کہا۔

"شہر کی بہتیری لڑکیاں تمہارے لئے آہیں بھرا کرتی ہیں۔ مگر میں اُن میں سے نہیں ہوں۔"

"میرے لئے آہیں بھرا کرتی ہیں.... لڑکیاں۔" لٹیرے کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں.... ہاں.... وہ لٹنے ہی کے لئے سر شام گھروں سے نکل آتی ہیں اور ان کے ہینڈ بیگ ٹافیوں اور چوکلیٹ کے پیکٹوں سے پُر ہوتے ہیں۔ لیکن تمہیں میرے پرس میں اعشاریہ دو پانچ کا پستول ملے گا۔"

"خوب....! لیکن تم مجھے مرعوب کرنے کی کوشش کیوں کر رہی ہو۔"

"غلط سمجھے۔ میں تمہیں اپنے متعلق بتا رہی تھی جانتی ہوں کہ تم مرعوب ہونے والوں میں سے نہیں ہو۔ لیکن کیا تم اپنا وقت برباد نہیں کر رہے ہو۔ ان حرکتوں سے کیا فائدہ جو تم کرتے پھر رہے ہو۔"

"اپنے معاملات میں خوب سمجھتا ہوں۔"

"کسی حد تک میں بھی سمجھتی ہوں۔" لڑکی مسکرائی۔ "تمہارا طریق کار سائنٹیفک ہے۔ تم نے پبلک کی ہمدردیاں بھی حاصل کی ہیں۔ اب اسی معاملے میں دیکھ لو۔ سر سجاد قتل کر دیا گیا۔ تم پر بھی شبہہ کیا جا رہا ہے۔ لیکن بہتیرے لوگ تمہاری طرفداری کر رہے ہیں، حتیٰ کہ بعض اخبارات بھی اس مہم میں شریک ہو گئے ہیں۔"

"کیوں کان کھا رہی ہو میرے۔ اگر مجھے گرفتار کرانا چاہتی ہو تو یہیں اسی جگہ کوشش کر کے دیکھ لو۔"

"مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔" لڑکی آہستہ سے بولی۔

"کوئی جال بچھاؤ گی میرے لئے۔" وہ اسے گھورتا ہوا بولا۔

"پھر غلط سمجھے! حالات ہی ایسے ہیں کہ میں پولیس سے مدد نہیں لے سکتی۔"

"کیا بات ہے۔"

"مجھے ایک بلیک میلر کے پنجے سے رہائی دلاؤ۔"

"ہوں! کون ہے؟"

"یہ میں نہیں جانتی۔ میں نے صرف ایک بار اس کی ہلکی سی جھلک دیکھی تھی۔ سر سے پیر تک سیاہ تھا۔ چہرے پر صرف آنکھوں کی جگہ کھلی نظر آتی تھی اور اُس کے ساتھ ایک کتا بھی تھا۔

وہ مجھے بلیک میل کر کے مجھ سے بعض غیر قانونی کام کرانا چاہتا ہے۔ ابھی کل ہی مجھے اس کی طرف سے ہدایت ملی ہے کہ میں سر سجاد کی لڑکی رضوانہ سے دوستی پیدا کروں۔"

لیٹرے کی انگلیاں میز پر اس طرح چل رہی تھیں جیسے ٹائپ رائٹر پر چلتی ہیں۔

ناکامی

لڑکی اُسے غور سے دیکھ رہی تھی اور وہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔ کچھ دیر بعد اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی اور وہ سر اٹھا کر بولا۔ "کیا تم مجھے اسی آدمی کی کہانی سناؤ گی جس کی سر سجاد کے قاتل نے سنائی تھی۔"

"ہو سکتا ہے! وہی ہو وہ مجھ سے صرف ایک بار ملا ہے۔ یہ پچھلی رات کی بات ہے ورنہ اس سے پہلے تو مجھے اپنے فلیٹ میں کسی نہ کسی جگہ اُس کے خطوط ملتے رہے ہیں۔"

"ارے وہ پیغام رساں کتا کہاں مر گیا تھا۔"

"میں نہیں جانتی! مجھے کسی کتے کے ذریعہ کبھی اس کے خطوط نہیں ملے۔"

"بہر حال وہ خطوط یقینی طور پر ٹائپ میں ہوتے ہوں گے۔"

"نہیں.... ہاتھ کی تحریر۔"

"بڑا گدھا معلوم ہوتا ہے یہ آدمی بھی۔"

"کیوں؟"

"کام کرنے کا طریقہ تو اتنا عقلمندانہ ہے، لیکن وہ احمق بھی ہے کہ اپنی تحریریں تقسیم کرتا پھرتا ہے تاکہ کبھی نہ کبھی ضرور پکڑا جائے۔"

"ہاں.... یہ بات تو ہے۔ اس نے کبھی مجھے اس پر مجبور نہیں کیا کہ اس کی تحریریں تلف کر دی جائیں۔"

"چائے پی چکیں تم۔" لیٹرے نے پوچھا۔

"ہاں.... آں....!"

"تو بس قیمت ادا کرو اور چپ چاپ چلی جاؤ۔ سر سجاد کو قتل کرانے والا مجھے بھی پھانسنا چاہتا

ہے اور سنو! تم نے کیسے یقین کر لیا کہ میں بھی اسی کے گرگوں میں سے نہیں ہوں۔"

"میں بھی انہیں لوگوں میں سے ہوں، جو تمہارے خلاف ایک لفظ بھی نہیں سن سکتے۔"

"یہ اور بات ہے لیکن.....!" وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔ "اچھا تو تم مجھ سے کیا چاہتی ہو۔"

"مجھے اس سے چھٹکارہ پانے میں مدد دو۔ ابھی تک میں اس کے لئے چھوٹے موٹے کام کرتی رہی ہوں۔ مگر یہ قتل کا معاملہ ہے۔ آخر وہ مجھے سر سجاد کی لڑکی سے دوستی کرنے کا مشورہ کیوں دے رہا ہے۔ میں پولیس کی مدد بھی لے سکتی تھی۔ لیکن اس صورت میں مجھے دوسرے معاملات میں بھی الجھا لیا جائے گا۔ مجھ سے پوچھا جائے گا کہ وہ مجھے کس سلسلہ میں بلیک میل کر رہا تھا۔"

"اور میں تم سے یہ پوچھ نہیں سکتا۔ کیوں؟" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

"تمہیں بتا دینے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔"

"میں نہیں معلوم کرنا چاہتا۔"

"پھر بتاؤ.....دو گے سہارا۔"

"سوال یہ ہے کہ میں اسے کہاں تلاش کرتا پھروں گا۔ ایک بار بھی ٹکرا جائے تو پھر دیکھو۔"

"بڑی مصیبت ہے تو پھر میں کیا کروں۔"

"سر سجاد کے قاتل کے بیان کے مطابق وہ کافی باخبر آدمی معلوم ہوتا ہے۔ تو پھر کیا وہ تمہارے حالات سے بے خبر ہو گا۔"

"تبھی تو بلیک میل کر رہا ہے۔"

"احمق! سمجھنے کی کوشش کرو۔ کیا وہ اس سے بے خبر ہی رہے گا کہ تم مجھ سے مل بیٹھی ہو۔"

یک بیک لڑکی خوفزدہ نظر آنے لگی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی نے اُس کے رگوں سے ون کا آخری قطرہ تک نچوڑ لیا ہو۔ لٹیرا اسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ لڑکی چند لمحے پنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتی رہی پھر ادھر اُدھر دیکھ کر آہستہ سے بولی۔ "تم ٹھیک کہہ رہے و۔ مجھے تم سے اس طرح نہ ملنا چاہئے تھا.....اُوہ.....اب کیا ہو گا۔"

"لیکن ہمارے درمیان جو گفتگو ہوئی ہے اس کا علم اسے کیسے ہو سکے گا۔" لٹیرے نے اس کی نکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں کیا جانوں! تم نے ہی یہ سوال اٹھایا تھا۔ تم ہی جواب دو۔"

"چلو کوئی بات نہیں! اگر تم اس دوران میں قتل کر دی گئیں تو جواب مل ہی جائے گا۔"

"قتل.... نہیں۔" لڑکی کانپ گئی۔

"اوہ.... ہو....!" یک بیک لٹیرا ایک جانب جھک گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی سے چھپنے کی کوشش کر رہا ہو۔

لڑکی چونک کر دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔ ایک اسمارٹ قسم کا وجیہہ نوجوان ریستوران میں داخل ہو رہا تھا۔ لڑکی نے پلکیں جھپکائیں اور پھر لٹیرے کی طرف دیکھنے لگی۔

نوجوان نے شاید اس کی طرف دھیان بھی نہیں دیا تھا۔ وہ سیدھا کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔ لڑکی نے اس کی آواز سنی۔ وہ پرنس ہنری کی تمباکو طلب کر رہا تھا۔

لٹیرا تیزی سے اٹھا اور دروازے کی طرف مڑ گیا۔ لڑکی نے پھر کاؤنٹر پر کھڑے ہوئے نوجوان کی طرف دیکھا۔ وہ بھی تیزی سے مڑا تھا۔ اب لڑکی کو احساس ہوا کہ اس دوران میں دوسرا آدمی لٹیرے کی شکل دیکھ لینے میں کامیاب ہوا ہو گا۔ کاؤنٹر کی دونوں جانب لمبے لمبے آئینے لگے ہوئے تھے۔

لڑکی نے ایک طویل سانس لی۔ شائد وہ اس دوسرے آدمی کو پہچانتی تھی، جو لٹیرے کے تعاقب میں گیا تھا۔

اس نے کاؤنٹر ہی پر جا کر بل ادا کیا اور تیزی سے باہر نکلی۔ لیکن یہاں معمول کے خلاف کچھ بھی نہ دکھائی دیا۔ سڑک پر ٹریفک کا نظام بدستور برقرار تھا۔ آس پاس کہیں بھی کسی قسم کی ابتری نظر نہ آئی۔ اس کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ لٹیرا صاف نکل گیا۔

وہ اس طرف چل پڑی جہاں اپنی ٹوسیٹر چھوڑی تھی۔ لیکن ٹوسیٹر میں بیٹھنے سے پہلے ہی اُسے خطرے کا احساس ہو گیا۔ وہ نوجوان جو لٹیرے کے تعاقب میں گیا تھا، تیزی سے اس کی طرف بڑھتا ہوا نظر آیا۔

لڑکی نے انجن اسٹارٹ کیا اور اس کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی ٹوسیٹر حرکت میں آ گئی۔ پھر تقریباً چار فرلانگ چلنے کے بعد اُسے ایک چوراہے پر رکنا پڑا۔ اس کے پیچھے کاروں اور دوسری گاڑیوں کی ایک لمبی سی قطار تھی۔ اُس نے مڑ کر دیکھا اور اس کے ہاتھ اسٹیئرنگ پر کانپ

گئے، پھر وہ جلدی سے آٹو میٹک سگنل کی طرف دیکھنے لگی۔

کچھ دیر بعد وہ شہر کے باہر ایک ویران سڑک پر تھی۔ ایک بار پھر مڑنا پڑا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر ایک ٹیکسی نظر آئی.... اور اس نے داہنے ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھالے ہوئے بائیں سے وینٹی بیگ کھول ڈالا۔

وینٹی بیگ سے ایک کیمرہ نما ٹرانسمیٹر نکال کر اُسے منہ کے قریب لے جاتی ہوئی بولی۔

"تھری سکس.... تھری سکس اسپیکنگ.... ہلو ہلو.... ہلو۔" ٹرانسمیٹر کے ڈائیل کے گوشے پر نقطے کی شکل میں ایک سبز روشنی نظر آتے ہی اُس نے اسے ایک کان سے لگالیا۔ شاید دوسری طرف سے بولنے والے کی آواز سنتی رہی۔ پھر اُسے دوبارہ منہ کے قریب لاکر بولی۔

"کیپٹن حمید میرا تعاقب کررہا ہے۔ کھیل بگڑ گیا۔ آج وہ مل گیا تھا۔ میں اسے شیشے میں اتار رہی تھی کہ وہ کم بخت آٹپکا۔ وہ تو نکل گیا لیکن اب وہ میرے پیچھے ہے۔"

وہ ٹرانسمیٹر کو پھر کان کے قریب لے گئی۔

❁

حمید نے محسوس کیا کہ ٹوسیٹر کی رفتار کم ہو گئی ہے۔ اُس نے ڈرائیور کو بھی رفتار کم کرنے کی ہدایت دی اور مڑ کر دیکھا۔ اس کے پیچھے بھی ایک کار تھی۔ اس کے خیال کے مطابق اس کی رفتار بھی کم کی گئی تھی۔ اس نے ڈرائیور سے کہا کہ وہ پیچھے والی گاڑی کو نکل جانے کا موقع دے۔ ٹیکسی سڑک کے بائیں کنارے سے لگ کر چلنے لگی۔ اس طرح پچھلی گاڑی کے آگے نکل جانے کے لئے کافی جگہ بچ رہی تھی۔

لیکن جیسے ہی وہ گاڑی قریب سے نکلی حمید کی روح فنا ہو گئی کیونکہ پچھلی سیٹ پر اُسے لکی بار کی وہی بڑھیا مالکہ نظر آئی تھی جس سے وہ پچھلے تین دنوں سے عشق کر تا رہا تھا اور بمشکل تمام اُسے یقین دلانے میں کامیاب ہوا تھا کہ اگر وہ بھی جواباً اس سے عشق نہیں کرے گی تو وہ کسی کنوئیں میں چھلانگ لگا کر خودکشی کرلے گا۔

فریدی نے تو صرف اتنا ہی کہا تھا کہ وہ اس سے جان پہچان پیدا کرے۔ لیکن حمید جھلاہٹ میں عشق ہی کر بیٹھا تھا۔ حمید ہی ٹھہرا۔ کھوپڑی یا تو بالکل سیدھی چلے گی یا اتنی الٹی چلے گی کہ کسی صورت سے کھوپڑی ہی نہ معلوم ہوسکے۔

مگر اب اس وقت افتاد طبع پھانسی کے پھندے کی طرح گردن میں آپڑی تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ اس وقت یہ بُری طرح حارج ہو گی۔

گاڑی تیزی سے آگے بڑھ کر اس طرح رکی کہ ٹوسیٹر کی ڈرائیور کو بھی رک ہی جانے میں عافیت نظر آئی۔

"روک دو.....!" حمید نے اپنے ڈرائیور سے کہا اگلی دونوں گاڑیاں کچھ اس انداز میں رکی تھیں کہ آگے نکل جانے کا امکان ہی نہیں رہ گیا تھا۔ ورنہ حمید ایسی حماقت نہ کرتا۔

بڑھیا گاڑی سے اتر رہی تھی۔ ٹوسیٹر والی نے اسکے ڈرائیور کو للکارا" گاڑی ہٹاؤ راستے سے۔"

اتنی دیر میں حمید اس کے قریب پہنچ چکا تھا۔

"میں قانون کے نام پر تم سے اس لٹیرے کا پتہ پوچھتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"کیا مطلب.... آپ کون ہیں۔" لڑکی نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"میں کوئی بھی ہوں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہر شہری کا فرض ہے کہ اس لٹیرے کو قانون کے حوالے کرنے میں مدد کرے۔"

"میں نہیں جانتی آپ کس لٹیرے کی بات کر رہے ہیں۔"

"ارے یہ خود لٹیرا ہے۔" بڑھیا قریب آکر دہاڑی۔ "مکار فریبی۔"

لڑکی نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

"جاؤ تم.... یہ اسی طرح لڑکیوں سے جان پہچان پیدا کر کے انہیں پھانستا ہے۔"

"کیوں بکواس کر رہی ہو۔ خاموش رہو۔" حمید کو غصہ آ گیا۔

اتنے میں ڈرائیور نے گاڑی کا رخ بدل دیا.... اور لڑکی نے اپنی ٹوسیٹر کا انجن اسٹارٹ کر دیا۔

"میں کہتا ہوں ٹھہرو.....!" حمید دہاڑا۔

"اتنے ہی نامعقول معلوم ہوتے ہو کہ والدہ محترمہ ہر وقت پیچھے لگی رہتی ہیں۔ شرم کرو۔" لڑکی نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

پھر ٹوسیٹر تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ حمید کھڑا سر سہلاتا رہ گیا۔ ویسے اس نے گاڑی کے نمبر تو ذہن نشین کر ہی لئے تھے یہ اور بات ہے کہ اب اس لڑکی سے دوبارہ ملاقات ہونے کے امکانات نہ رہ گئے ہوں۔

"اوہ....!" وہ یک بیک چونک پڑا۔ "ناممکن.... وہ اس طرح نہیں جاسکتی۔"

پھر اپنی ٹیکسی کی طرف بڑھا ہی تھا کہ بڑھیا بڑی پھرتی سے جھپٹ کر راہ میں حائل ہو گئی۔

"ہٹو.... سامنے سے۔"

"ارے واہ....!" وہ ہاتھ نچا کر بولی۔ "ہوش ٹھکانے ہیں یا نہیں! تم مجھ سے ایسی باتیں کیوں کرتے رہے تھے۔"

"میں زندگی بھر تم سے ویسی ہی باتیں کرتا رہوں گا مگر اس وقت ہٹ جاؤ۔"

"یہ دیدہ دلیری.... تم جاؤ گے اس کے پیچھے۔"

"بڑوں کا کہنا مانتے ہیں صاحب۔" حمید کے ڈرائیور نے ہنس کر کہا۔

"تم مضحکہ اڑا رہی ہو میرا اور اپنا....!" حمید آنکھیں نکال کر آہستہ سے بولا۔

"میں سارے زمانے میں چیختی پھروں گی تم نے ایسی باتیں کیوں کی تھیں۔"

"پھر کروں گا! تم نہیں جانتیں! اوہ.... اب تو پتہ نہیں وہ کہاں پہنچی ہو گی۔"

"ارے پھر اسی کی باتیں! تم جاؤ گے اس کے پیچھے۔"

دونوں گاڑیوں کے ڈرائیور ہنس رہے تھے۔

"بیبی ڈارلنگ سمجھنے کی کوشش کرو۔ وہ کوئی شریف لڑکی نہیں تھی۔"

"شریف ہی ہوتی تو تمہیں گولی کیوں نہ مار دیتی۔ اُف فوہ! یعنی تم مجھ سے یہ کہہ رہے ہو کہ وہ کوئی شریف لڑکی نہیں ہے۔ اس لئے میں تمہیں اس کے پیچھے جانے دوں گی۔ یعنی غیر شریف لڑکیوں کے ساتھ تم رنگ رلیاں مناتے پھرو گے۔ تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔ اُف فوہ...!"

"اُف فوہ....!" حمید نے جھلاہٹ میں دانت نکالے۔ پھر سنبھل گیا۔ غصہ اس مصیبت سے نجات نہ دلا سکتا بلکہ بات بڑھتی ہی رہتی اور دونوں ڈرائیور ہنستے رہتے۔ اُس کی زبان سے کہیں لفظ ڈارلنگ نکل گیا تھا اس پر وہ دونوں چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے تھے اور اب ایک بالکل ہی نئی دلچسپی کے ساتھ انکی طرف متوجہ تھے۔ ہو سکتا ہے پہلے وہ بھی اسے ماں ہی سمجھے ہوں۔

"اچھا.... چلو.... واپس چلتے ہیں۔" اس نے مردہ سی آواز میں کہا۔ اب اُسے فریدی پر تاؤ آرہا تھا۔

"میں تمہاری ہی گاڑی میں چلوں گی۔ اس گاڑی کا کرایہ ادا کر دو۔"

"اب کرایہ بھی میں ہی ادا کروں۔" حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

وہ تو ادا ہی کرنا پڑا۔ یہی کیا کم تھا کہ اس طرح ہنسنے والوں میں سے ایک ہی رہ جاتا۔

ٹیکسی پھر شہر کی طرف واپس ہوئی۔ لڑکی غالباً تار جام گئی تھی۔ حمید کا یہی اندازہ تھا۔

"اب.... آج میں تمہارے گھر چلوں گی۔" بڑھیا ٹھنک کر بولی۔

"میں تو کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔"

"کیا سوچ رہے تھے۔"

"یہی کہ یہ دنیا بڑی واہیات جگہ ہے۔ کیوں نہ ہم دونوں خودکشی کرلیں۔ اس طرح دوسری دنیا میں پہنچ کر تم ہوٹل کھول لینا اور میں جوتے گانٹھوں گا۔ دونوں کو یہ دنیا ملنے ہی نہیں دیتی.... ہاں۔"

"فضول باتیں نہ کرو۔ میں تمہارے گھر چلوں گی۔" بڑھا نے جھلا کر کہا۔ "تم نے کہا تھا کہ تمہاری شادی نہیں ہوئی۔ میں دیکھوں گی اب تمہاری باتوں پر یقین کرنے کو دل نہیں چاہتا۔"

"میں نے کب کہا ہے کہ یقین کرو.... دیکھو بیلی.... مجھ پر بعض اوقات دورے پڑتے ہیں، پچھلے دنوں میں ایک بھینس خرید لایا تھا اور اُسے بڑے پیار سے دردانہ بیگم کہا کرتا تھا۔"

"کیا مطلب....!"

"بھینس کا مطلب بتاؤں یا دردانہ بیگم کا۔"

"تم میرا مضحکہ اڑا رہے ہو۔" بڑھیا بپھر گئی۔ "آخر تم نے ایسی باتیں کیوں کی تھیں۔"

"باتیں کرنے ہی کے لئے ہوتی ہیں، خواہ وہ کسی قسم کی ہوں۔ اب کیا بتاؤں! میں نے تو یہی سوچا تھا کہ جلد ہی شادی بھی ہو جائے گی۔ مگر تم نے سنا تھا کیا کہا تھا اس لڑکی نے۔"

"وہ حرافہ کیوں نہ کہتی۔"

"حرافہ....!" حمید اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "اور میرے متعلق کیا خیال ہے۔"

"تم بدمعاش ہو۔" وہ کھسیانی سی ہنسی کے ساتھ بولی۔ "مجھے بتاؤ کہ تم نے مجھ سے ایسی باتیں کیوں کی تھیں۔"

"کیا میں تمہیں اپنے ان پڑوسیوں سے ملادوں، جو آئے دن مجھے پاگل خانے بھجوا دینے کی دھمکیاں دیتے رہتے ہیں۔"

وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح اب یہ بڑھیا خاموش ہی رہے تو بہتر ہے۔ ورنہ ہو سکتا تھا کہ وہ کھوپڑی سے باہر ہو کر کوئی اور حماقت کر بیٹھتا۔ آخر اس سے دوستی پیدا کرنے کا مقصد کیا تھا۔ اس کیس میں شروع سے اب تک اُسے ایسی ہی الٹی سیدھی ڈیوٹیاں ملتی رہی تھیں۔ کبھی کسی غمزدہ لڑکی کا دل بہلاؤ اور کبھی ہزاروں لڑکیوں کی والدہ محترمہ سے راہ رسم بڑھاؤ۔ دوسری طرف زیدی اور طاہر جیسے غیر اہم لوگ اس آدمی سے ٹکراتے پھر رہے تھے جس نے خود فریدی کو چکرا کر رکھ دیا تھا۔ کھیل شروع ہوا تھا بینک کی ڈکیتی سے جس کی اطلاع فریدی کو پہلے ہی مل گئی تھی۔ اطلاع دینے والا ڈکیتی سے پہلے ہی ختم کر دیا گیا تھا۔ لیکن ہزار احتیاط کے باوجود بھی بینک لٹ ہی گیا۔ پھر فریدی غائب۔ موت تک کی قیاس آرائیاں ہو گئیں۔ لیکن وہ حضرت اس غیر اہم آدمی کی فکر میں تھے، جو لڑکیوں کے بٹوؤں سے ٹافیاں جھپٹتا پھرتا تھا۔ پھر سر سجاد کے قتل کا معاملہ اٹھ کھڑا ہوا۔ جس میں اس لٹیرے کا نام بھی شامل تھا؟ اب سر سجاد اپنی ہی کوٹھی میں ملازموں کے فرائض انجام دے رہا ہے۔ اس کی لڑکی دن رات بسورتی رہتی ہے۔ لیکن یہ رونا بسورنا بناوٹ نہیں ہو سکتا۔ حمید ان دنوں اسے بہت قریب سے دیکھتا رہا تھا۔ اس کا مطلب یہی ہوا کہ سر سجاد نے حقیقتاً خود کو اُس پر ظاہر نہیں کیا۔ بیٹی اس کی موت پر آنسو بہاتی رہتی ہے، وہ دیکھتا ہے لیکن اسے حقیقت سے آگاہ نہیں کر سکتا۔ وہ عمارت جسے وہ قتل کی دھمکی کے باوجود بھی فروخت کرنے پر تیار نہیں تھا، اب کیسے چھوڑ دی گئی۔

عمارت کسی قدیم عمارت کے کھنڈروں پر تعمیر کی گئی تھی اس لئے خزانے وغیرہ کا بھی چکر ہو سکتا تھا۔ لیکن اگر اُسے اس کا یقین ہوتا تو وہ کم از کم اُس سے تو چمٹا ہی رہنا چاہتا۔ خود اس نے اس عمارت کی اہمیت پر ذرہ برابر بھی روشنی نہیں ڈالی تھی۔

فریدی نے اس کی دانست میں عمارت کی نگرانی اسی لئے شروع کرائی تھی کہ سر سجاد کے قتل کی خبر شائع ہونے کے بعد سے کوئی وہاں دیکھا جاتا رہا تھا۔ فریدی پر کتے کا حملہ اس نتیجے پر پہنچنے کے لئے کافی تھا کہ وہ آدمی اس کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا جس نے سر سجاد پر قاتلانہ حملہ کرایا تھا لیکن وہ کوئی ایسا ہی اہم معاملہ تھا کہ اس نے اس کے سلسلے میں اپنے آدمیوں سے کام لینا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

وہ اہم معاملہ کیا ہو سکتا تھا؟ یا تو اسے اس کی فکر تھی کہ سر سجاد کی لاش کس نے غائب کر دی

یا پھر اس عمارت میں کسی اور چیز کی تلاش تھی اور وہی چیز سر سجاد پر قاتلانہ حملہ کرانے کا باعث بھی بنی ہوگی۔

"کیا سوچ رہے ہو۔" یک بیک بڑھیا نے اس کا شانہ جھنجھوڑ کر کہا۔

"بھوں....!" حمید کتے کی طرح بھونکا اور وہ بوکھلا کر دوسری طرف کھسک گئی۔

اس وقت اس کی ذہنی حالت ایسی ہی تھی کہ اپنی اس بچکانہ حرکت پر ذرہ برابر بھی شرمندگی نہیں محسوس ہو سکتی تھی۔

"یہ کیا بیہودگی ہے۔" اس نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کہانی میں تمہیں کہاں فٹ کروں؟"

"کیسی کہانی....؟"

"اگر لیلیٰ کی ماں کی شادی.... مجنوں کے ابا سے ہوئی ہوتی تو پھر وہ کہانی کیسے جنم لیتی۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو۔"

حمید ہارن کی آواز سن کر چونک پڑا۔ پیچھے شائد کوئی گاڑی تھی۔ وہ مڑا.... تھوڑے ہی فاصلے پر وہی ٹوسیٹر نظر آئی جس کا تعاقب کرتا ہوا وہ اس طرف آیا تھا۔

"راستہ دو....!" حمید نے ڈرائیور سے کہا۔ ڈرائیور نے گاڑی ایک طرف کر لی۔ ٹوسیٹر اب ٹیکسی کے ساتھ ہی دوڑ رہی تھی۔

"ذرا ٹھہریئے....!" ڈرائیو کرنے والی لڑکی نے کہا۔

"ارے.... خدا غارت کرے تمہیں حرافہ۔" بڑھیا کلکلائی اور حمید نے ڈرائیور سے گاڑی روکنے کو کہا۔ وہ بھی شاید دوبارہ اس جھگڑے سے لطف اندوز ہونا چاہتا تھا اس لئے بڑھیا کے چنگھاڑنے کے باوجود بھی اس نے گاڑی روک ہی دی۔

حمید بڑی تیزی سے نیچے اتر آیا۔ ٹوسیٹر بھی رک گئی۔ لڑکی نے کھڑکی سے سر نکال کر کہا۔

"معاف کیجئے گا میں نے آپ کو پہچانا نہیں تھا لیکن یہ سوچتی رہی تھی کہ کہاں دیکھا ہے آپ کو! آپ کیپٹن حمید ہیں نا! پچھلے سال آپ نے رائفل کلب کے مقابلے میں حصہ لیا تھا۔"

"ہوں! تو اب آپ کیا کہنا چاہتی ہیں۔"

"وہ لٹیرا مجھے اتفاقاً مل گیا تھا۔ میں نہیں جانتی کہ وہ کہاں رہتا ہے۔ یہ میری اُس سے دوسری

ملاقات تھی۔ کچھ دن ہوئے اس نے میرے پرس پر بھی ہاتھ صاف کیا تھا۔“

”لیکن تم شہر سے باہر کیوں نکل بھاگی تھیں۔“

”روز ہی آتی ہوں ادھر ہواخوری کے لئے۔“

”ارے ہو چکیں باتیں....!“ بڑھیا ٹیکسی سے دہاڑی! وہ نیچے نہیں اتری تھی۔

”والدہ صاحبہ بڑی خونخواز معلوم ہوتی ہیں۔“ لڑکی نے کہا۔

”یہ میرے پڑوس کی ایک پاگل عورت ہے، اسے وہم ہو گیا ہے کہ میں اس کا شوہر ہوں! ہاں تمہارا نام اور پتہ۔“ حمید نے جیب سے ڈائری نکالتے ہوئے کہا۔ اس نے جلدی سے نام اور پتہ تحریر کیا۔ پھر ٹوسیٹر آگے بڑھ گئی اور حمید نے سڑک کے نشیب میں چھلانگ لگائی۔ وہ پوری قوت سے کچے راستے پر دوڑ رہا تھا.... تین میل.... اس نے سوچا اس جہنمی بلی سے پیچھا چھڑانے کے لئے یہ تین میل بُرے نہیں رہیں گے۔ خواہ شہر پہنچتے پہنچتے دم ہی کیوں نہ نکل جائے۔

لٹیرا

”بس اب آرام کرو۔ تمہارا کام قریب قریب ختم ہو چکا ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”تمام ہو چکا ہے! فرمایئے۔“ حمید جھلا کر بولا۔ ”آخر اس بڑھیا کا کیا چکر تھا۔“

”میں صرف یہ چاہتا تھا کہ تم اس سے دوستی کرنے کی کوشش کرو۔ لیکن تم نے حماقتیں شروع کر دیں۔“

”میں تو ابھی قبروں سے مردے اکھاڑ اکھاڑ کر اُن سے بھی دوستی پیدا کرتا پھروں گا۔ خدا آپ کے اس سائنٹیفک طریق کار کر ترقی دے۔“ حمید جل کر بولا۔

”ہاں تو.... وہ لٹیرا تمہیں پھر جھکائی دے گیا۔“ فریدی نے اس کی بات پر دھیان دیئے بغیر پوچھا۔

”جہنم میں گیا وہ لٹیرا.... مجھے اس بڑھیا کا علاج بتایئے۔“

”خطرناک عورت ہے بیچ سڑک پر گریبان پکڑ لینے والی! اچھا ہے بھگتو! شاید اسی طرح بچپنا رخصت ہو سکے۔ میں تو تھک ہار چکا ہوں۔“

”میں پوچھتا ہوں! مقصد کیا تھا وہاں بھیجنے کا۔“

"محض یہ ظاہر کرنا کہ ہم جاگ رہے ہیں۔ تم ریستوران کو کیا سمجھتے ہو! وہ بھی ایک اڈہ ہے اس آدمی کے گرگوں کا۔"

"اس سے فائدہ۔"

"فائدہ تو نتائج ظاہر ہونے کے بعد ہی نظر آئے گا۔ فی الحال اس کی فکر نہ کرو۔"

"تو اب میں وہاں نہ جاؤں۔"

"اگر تم جانا چاہو تو تمہیں روکے گا کون! یہ تمہاری اپنی مرضی پر منحصر ہے۔"

فریدی خاموش ہو کر سگار سلگانے لگا۔

"میجر سعید کے لئے کیا ہو رہا ہے؟"

"تمہاری دانست میں کیا ہونا چاہئے۔"

"میں پوچھ رہا ہوں کوئی ایسی وجہ ہو سکتی ہے کہ وہ سر سجاد کی موت کا خواہاں ہو جائے۔"

"کئی وجوہات موجود ہیں۔ مشترکہ بزنس کے کاغذات مشتبہ ہیں۔ اُن کی تحریر کچھ اس قسم کی ہے کہ مشترکہ بزنس ایک پارٹنر کی موت کے بعد سارا کا سارا دوسرے پارٹنر کی طرف منتقل ہو جائے گا اور مرنے والے پارٹنر کے ورثاء اس میں سے ایک حبہ کے بھی حقدار نہ ہوں گے۔"

"اس قسم کے معاہدے آج تک سننے میں آئے۔"

"مگر اسے ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ قاتلانہ حملہ اُسی نے کرایا ہوگا۔"

"میرا خیال ہے کہ اس مجرم کے سلسلے میں سراغ رسانی سے زیادہ دعا تعویز مفید رہے گی۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ آرام کرسی کی پشت گاہ سے ٹکا ہوا سگار کے ہلکے ہلکے کش لے رہا تھا۔ آدھ کھلی آنکھوں سے گہرے تفکر کے آثار مترشح تھے۔

اتنے میں ملازم شام کے اخبارات لایا اور انہیں میز پر رکھ کر چلا گیا۔ فریدی نے ہاتھ بڑھا کر ایک اخبار اٹھایا.... اور پھر شائد وہ پہلی ہی سرخی تھی جس پر نظر پڑتے ہی اس کی آدھ کھلی آنکھیں پھیلتی چلی گئیں۔

"اوہ....!" اُس نے اخبار چھوڑ کر کرسی کے ہتھے مضبوطی سے جکڑ لئے۔ چہرے پر طیش کے آثار تھے۔ حمید بوکھلا کر اُسے گھورنے لگا مگر کچھ بولا نہیں۔

دوسرے ہی لمحے میں فریدی فون کی طرف جھپٹا۔

اس نے تیزی سے کسی کے نمبر رنگ کئے اور ماؤتھ پیس میں دھاڑا۔ ”ایس۔پی صاحب ہیں؟ انہیں اطلاع دیجئے کہ فون پر فریدی ہے۔“

چند لمحے خاموشی رہی۔ حمید حیرت سے آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہا تھا۔ فریدی پھر بولا۔ ”جی ہاں! شام کا کرائم رپورٹ دیکھا آپ نے.... لٹیرے کے متعلق ہمارے درمیان جو گفتگو ہوئی تھی من و عن چھاپ دی گئی ہے.... جی ہاں! دیکھئے اس لئے میں کسی کیس کی تفتیش کے دوران اپنی زبان زیادہ تر بند ہی رکھتا ہوں۔ آپ نے مجھے اس پر مجبور کیا تھا کہ میں آپ کو حالات سے بے خبر نہ رکھا کروں.... آپ دیکھئے تو اس میں پوری تفصیل موجود ہے.... آپ صرف متحیر ہوتے رہیں گے اور مجھے استعفیٰ پیش کر دینا پڑے گا.... سنئے میں ابھی اور اسی وقت آپ کے دفتر کی تلاشی لینا چاہتا ہوں.... جی ہاں! یہ بہت ضروری ہے.... آپ نے اپنے دفتر ہی میں مجھ سے اسکے متعلق گفتگو کی تھی اور وہاں ہم دونوں کے علاوہ کوئی تیسرا نہیں تھا۔ میں آرہا ہوں۔“

فریدی نے جھٹکے کے ساتھ ریسیور رکھ دیا۔ اُس کا موڈ بہت خراب نظر آرہا تھا۔

”کیا قصہ ہے....!“

فریدی نے کرائم رپورٹ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”ایک ایسا راز ظاہر ہو گیا ہے کہ اب مجرم کے ہاتھ آنے کی توقع نہیں رہی۔ اگر کسی طرح گرفت میں آبھی جائے تو ہم اس کے خلاف کچھ ثابت نہ کر سکیں گے۔ چلو.... جلدی کرو۔ میں ایس۔پی کے آفس کی تلاشی لوں گا آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔“

”میں کچھ بھی نہیں سمجھا۔“

”خاموش رہو! چلو کسے کسے سمجھاتا پھروں۔ بعض اوقات دماغ کی چولیں تک ہل کر رہ جاتی ہیں۔“

حمید حیرت سے پلکیں جھپکاتا رہا۔

بہر حال اُس نے پھر کچھ نہیں پوچھا۔ اتنے شدید غصے میں اس نے اسے شاذ و نادر ہی دیکھا تھا۔

کچھ دیر بعد ان کی کار محکمہ سراغ رسانی کے دفاتر کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ ایس۔پی کا بنگلہ یہاں سے قریب ہی تھا اس لئے وہ پہلے ہی پہنچ گیا تھا۔ لیکن وہ بھی اچھے موڈ میں نہیں معلوم ہوتا تھا۔

”میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ میرے دفتر کی تلاشی کیوں لیں گے۔“ اس نے غضبناک لہجے میں پوچھا۔

"مجھے شبہ ہے کہ آپ کی لاعلمی میں کوئی آپ کے پروگراموں سے واقف ہوتا رہتا ہے۔"

"کیا دیکھیں گے آپ....!"

"ایک بار پہلے بھی انہیں دفاتر سے ڈکٹافون برآمد کر چکا ہوں۔"

"اوہ....!"

ایس۔پی کا آفس کھلوایا گیا۔ فریدی تھوڑی دیر تک مختلف حصوں کا جائزہ لیتا رہا پھر مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔ "یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔"

"وہم بہت بُری بیماری ہے۔" ایس۔پی کے ہونٹوں پر تلخ سی مسکراہٹ نظر آئی۔

"ہمارے پیشے میں اسے فنی ضرورت بھی کہتے ہیں۔" فریدی بھی جواباً مسکرایا۔

"کرائم رپورٹ کو یہ خبر کن ذرائع سے ملی تھی؟ یہ بھی معلوم کیا؟" ایس پی کے لہجے میں اب بھی اشتعال موجود تھا۔

"سبھی کچھ ہوگا۔ از سر نو محنت کرنی پڑے گی۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ اب مجرم ہاتھ نہیں آسکے گا۔ آج کل میں اس لٹیرے کی لاش کہیں نہ کہیں مل ہی جائے گی۔"

حمید نے ایک بار پھر آنکھیں پھاڑیں لیکن یہاں وہ تفصیل کا مطالبہ کیسے کر سکتا تھا۔ ویسے اس کی الجھن بڑھتی ہی جارہی تھی۔

"مجرم کیوں نہ ہاتھ آسکے گا۔" ایس۔پی نے پوچھا۔

"چلئے! لان پر.... میں یہاں اس کمرے میں کوئی گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔"

وہ باہر آگئے اور فریدی نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ "مجرم اگر اس وقت یہاں آجائے اور للکار کر کہے کہ وہی بینک کی ڈکیتی کا ذمہ دار ہے اور ہم اُسے گرفتار بھی کر لیں لیکن وہ عدالت میں مکر جائے تو ہمارے فرشتے بھی اس کے خلاف ثبوت نہ مہیا کر سکیں گے۔"

"آخر مرنے والے کے پاس کس قسم کے ثبوت رہے ہوں گے۔" ایس پی نے پوچھا۔

"خدا جانے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اُس نے مجھے اتنا ہی بتایا تھا کہ اس کے پاس کچھ ایسی چیزیں ہیں، جو سرگروہ تک رہنمائی کر سکتی ہیں۔ لیکن دوسرے ہی دن وہ قتل کر دیا گیا تھا۔"

"مگر یہ کیسے معلوم ہوا کہ اب وہ لٹیرا اُن چیزوں کا مالک ہے۔"

"دیکھئے.... میرا خیال ہے کہ خود مقتول سرگروہ کو بلیک میل کرنے کے چکر میں تھا۔ ممکن ہے اُس نے اُسے کسی قسم کی دھمکی دی ہو اور یہ جتانے کے لئے کہ وہ اسے بلیک میل کر سکتا ہے۔

ڈکیتی کی اطلاع مجھے قبل از وقت دے دی۔ سرگروہ کے طریق کار کے بارے میں بھی مجھے اُسی سے معلوم ہوا تھا۔"

"یہ میری بات کا جواب تو نہ ہوا۔ میں نے لٹیرے کے متعلق پوچھا تھا۔"

"مقتول نے مجھے ایک پتہ دیا تھا.... ارجن پور کے ایک مکان کا اور کہا تھا کہ اگر اسے کوئی حادثہ پیش آجائے تو وہ آدمی جو اس مکان میں رہتا ہے میری مدد کرے گا۔"

"اور آپ منتظر رہے ہوں گے کہ اُسے کوئی حادثہ پیش آجائے۔" ایس۔پی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"جی نہیں! میں نے اُسی وقت سے اس مکان کی نگرانی شروع کرادی تھی۔ لیکن وہ نہیں مل سکا تھا۔ پھر اُس آدمی کے قتل کے بعد تو شاید اس نے مکان کا رخ ہی نہیں کیا۔ مجبوراً قفل توڑ کر مجھے مکان کی تلاشی لینی پڑی۔ ایک سوٹ کیس اور ایک ہولڈال کے علاوہ وہاں کچھ اور نہیں تھا۔ لیکن کوئی ایسی چیز نہ مل سکی جو اس کی شخصیت پر روشنی ڈال سکتی۔ البتہ چند تصویریں تھیں، ان میں سے ایک خود اسی کی ثابت ہوئی۔ بقیہ تصویریں مختلف لڑکیوں کی تھیں۔"

"کیا بات ہوئی۔ ایک طرف آپ یہ بھی کہتے ہیں کہ کوئی ایسی چیز نہ مل سکی، جو اُس کی شخصیت پر روشنی ڈال سکتی اور دوسری طرف اس کی تصویر کا بھی تذکرہ ہے۔"

"ہاں تو پھر.... کیا اس تصویر نے مجھے اس کا نام بتا دیا تھا۔ شخصیت محض ہڈیوں اور گوشت کے ڈھیر کو تو نہیں کہتے۔ اُس کے پڑوسی بھی اس کا نام نہیں بتا سکتے تھے، البتہ تصویر دیکھ کر تصدیق کردی تھی کہ وہی آدمی اس مکان میں رہتا ہے۔"

"یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ وہی لٹیرا ہے۔ کل ہی آپ کہہ رہے تھے کہ آج تک آپ سے مڈبھیڑ نہیں ہوئی۔"

"رضوانہ اُسے دیکھ چکی ہے.... حمید سے بھی ایک بار ٹکراؤ ہوا تھا۔"

حمید کے لئے تو یہ اطلاع ہی نئی تھی کہ فریدی کے پاس اس لٹیرے کی کوئی تصویر بھی ہے۔

"اگر آپ نے وہ تصویر پریس میں دے دی ہوتی تو وہ کبھی کا پکڑ لیا گیا ہوتا۔" ایس۔پی کا لہجہ پھر غصیلا ہو گیا۔

"گویا اس طرح میں اُسے اس مجرم کے حوالے کردیتا جس کے لئے اتنے دنوں سے سرگرداں ہوں اور وہی ایک کارڈ ہے میرے ہاتھ میں۔"

ایس۔پی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "آخر وہ اس قسم کی مضحکہ خیز حرکتیں کیوں

کرتا پھر رہا ہے۔"

"غالباً اب وہ خود اس چکر میں ہے کہ مجرم کو بلیک میل کرے۔"

"آپ کا جواب غیر متعلق ہے۔"

"جی نہیں! ایک احمق آدمی نے شائد اسے بلیک میل کرنے کی کوشش کی تھی، وہ مار ڈالا گیا۔ لیکن یہ لٹیرا اُسے اپنی چالاکیوں اور پھرتی کے نمونے دکھاتا پھر رہا ہے۔ جتا رہا ہے کہ اُس نے کھلم کھلا شہر میں ہنگامہ برپا کر رکھا ہے لیکن پولیس اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکتی پھر وہ اس کا کیا بگاڑ لے گا۔ وہ اپنی پبلسٹی کرا رہا ہے جناب اور میرا دعویٰ ہے جناب کہ مجرم اُس سے مرعوب ہو گیا ہے لیکن اب وہ اُسے ٹھکانے لگا دینے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دے گا، اس خیال کے تحت کہ کہیں وہ پولیس کے ہاتھ نہ لگ جائے۔ اوہ! ٹھہریئے! مجھے سوچنے دیجئے۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ ایس پی کی جواب طلب آنکھوں سے جھلاہٹ بھی جھانک رہی تھی۔

"یہ بھی ممکن ہے کہ کرائم رپورٹ میں یہ خبر اس لٹیرے ہی نے چھپوائی ہو۔ مجرم کو مزید خوفزدہ کرنے کے لئے.... اوہاں ٹھہریئے! آج ہی حمید نے اسے ایک ایسی لڑکی کے ساتھ دیکھا تھا جو اس گروہ سے تعلق رکھتی ہے۔"

حمید اس اطلاع پر بھی چونک پڑا۔ فریدی اب یہاں ایس۔ پی کے سامنے کھل رہا تھا۔ اُسے تو نہیں بتایا تھا کہ وہ لڑکی اس گروہ سے تعلق رکھتی تھی۔

ایس۔ پی نے حمید کی طرف دیکھا اور اس نے کہا۔ "جی ہاں! مگر میں آج بھی اسے نہ پکڑ سکا۔ بس ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی جن کی طرح ہوا میں تحلیل ہو گیا ہو۔ ایک گلی میں گھسا اور غائب۔"

"بڑی حیرت انگیز باتیں سناتے ہیں آپ لوگ۔ کیا پورا گروہ آپ کی نظروں میں ہے مسٹر فریدی۔"

"میں اس کا دعویٰ کیسے کر سکتا ہوں جبکہ سر سجاد کا قاتل میرے لئے اجنبی تھا۔ میرا خیال ہے کہ سر سجاد کا قاتل زیرِ تربیت تھا۔ اسلئے اسے گروہ سے الگ ہی رکھا گیا تھا۔ ممکن ہے اس کے علاوہ بھی کچھ اور آدمی زیرِ تربیت ہوں۔ مجرم بہت چالاک ہے۔ تربیت کے بعد امتحاناً کوئی اہم کام لے کر ہی باقاعدہ گروہ میں شامل کرتا ہو۔ اس آدمی کا امتحان ہی لینے کیلئے سر سجاد پر حملہ کرایا ہو۔"

"ہاں.... آں۔!" ایس۔ پی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "ممکن ہے! لیکن لاش کس نے غائب کی۔ یہ معمہ بھی آج تک حل نہ ہو سکا۔"

"خدا جانے.... بہت دنوں بعد ایسا پیچیدہ کیس ملا ہے۔ دیکھئے کب تک ٹھوکریں کھانی پڑتی ہیں۔

اچھااب میں چلوں! کرائم رپورٹ کے دفتر میں بھی پوچھ گچھ کرنی ہے لیکن اس سے پہلے....!"

یک بیک فریدی نے مہندی کی قد آدم باڑھ کے پیچھے چھلانگ لگائی اور وہ دونوں بوکھلا کر اچھل پڑے۔

پھر حمید نے بھی دوسری طرف چھلانگ لگائی تھی۔ اس نے فریدی کو چہار دیواری کے قریب دیکھا وہ اس طرح پیچھے کی طرف گرتے گرتے سنبھل رہا تھا جیسے اس نے کسی کو پکڑنے کی کوشش کی ہو، لیکن بھاگنے والا چہار دیواری پھلانگتے وقت اسے ایک لات بھی رسید کر گیا ہو۔

وہ سنبھل کر پھر اچھلا اور چہار دیواری سے سر ابھار کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ اس کے بعد حمید نے اُسے لنکن کی طرف دوڑتے دیکھا۔

"کیا بات.... کیا ہے۔" ایس پی چیخا۔

"لٹیرا.... پھر نکلا جا رہا ہے۔" اس نے دوڑتے ہوئے جواب دیا۔

جب تک حمید پہنچتا لنکن فراٹے بھرتی ہوئی پھاٹک سے گذر چکی تھی۔

پھر ذرا سی دیر میں وہاں جم غفیر نظر آیا۔ رات کی ڈیوٹی والے اپنے اپنے دفاتر سے نکل آئے تھے۔

ایس۔پی حمید سے کہہ رہا تھا۔ "مجھے تو احساس ہی نہیں ہو سکا تھا کہ کوئی چھپ کر ہماری گفتگو سن رہا ہے۔"

"کرنل اپنی چھٹی حس کے لئے خاص طور پر مشہور ہیں جناب۔ وہ کسی بھیڑیئے ہی کی طرح شکار کی بو سونگھتے ہیں۔" حمید نے جواب دیا۔

"یہی وجہ ہے کہ ایک معمولی اُچکا زک پر زک دے رہا ہے۔" غالباً فریدی کے کسی حاسد نے کہا تھا۔

حمید خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ اگر ایس۔پی وہاں موجود نہ ہوتا تو شاید وہ اس آدمی کو کچا ہی چبا جاتا جس نے یہ بات کہی تھی۔

ویسے اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔ ایس پی کچھ سوچ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اُس نے حمید سے کہا۔ "تم کرائم رپورٹ کے دفتر جاؤ اور یہیں کھینچ لاؤ منیجر ایڈیٹر اور اس رپورٹر کو جس کی وساطت سے وہ خبر آئی ہو۔ میں فریدی کی واپسی تک آفس ہی میں بیٹھوں گا۔"

ایک گھنٹے کے اندر ہی حمید نے مطلوبہ اشخاص کو ایس۔پی کے سامنے پیش کر دیا اور انہوں نے جو کہانی سنائی دلچسپ بھی تھی اور ایس، پی کو غصہ دلانے والی بھی۔ انہوں نے بتایا کہ آج صبح ایک باوردی سب انسپکٹر نے ایڈیٹر کو کرنل فریدی کا خط دیا تھا اور خود کرنل ہی کی ایماء پر وہ خبر

چھاپی گئی تھی۔ اس نے فریدی کا وہ خط بھی پیش کیا۔

"ہرگز نہیں جناب۔" حمید نے سر ہلا کر کہا۔ "اگر کوئی اسے کرنل کی تحریر ثابت کردے تو میں اپنا سر قلم کرا دوں گا۔"

"ہاں! رائٹنگ تو فریدی کی نہیں ہے۔" ایس۔پی بولا۔

"اس سال کا پہلا سب سے بڑا فراڈ ہے یہ خط۔" حمید ایڈیٹر کو گھورتا ہوا بولا۔ پھر اُس سب انسپکٹر کا حلیہ پوچھنے لگا جس سے خط ملا تھا۔

ایڈیٹر بیان کر رہا تھا اور حمید کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی جا رہی تھیں۔ حلیہ سو فیصدی اُسی لٹیرے کا تھا۔ ایس۔پی کی نظر حمید کے چہرے ہی پر تھی۔

"کیوں....؟" وہ اُسے گھورتا ہوا بولا۔

"یہ حلیہ اسی لٹیرے کا ہے۔"

"اوہ....!" ایس۔پی نے مضطربانہ انداز میں پہلو بدلا۔ اتنے میں فون کی گھنٹی بجی اور اس نے ریسیور اٹھالیا۔ حمید نے گفتگو سے اندازہ کر لیا کہ دوسری طرف سے فریدی ہی بول رہا ہے۔

ایس۔پی اُس خبر سے متعلق نئی دریافت کا تذکرہ کر رہا تھا۔ پھر وہ خاموش ہو کر سننے لگا۔ کچھ دیر بعد "اچھا" کہہ کر سلسلہ منقطع کرتا ہوا ایڈیٹر کی طرف مڑا۔

"اس خبر کی بناء پر محکمے کی بدنامی ہوئی ہے۔" اُس نے کہا۔ "آپ کو صبح ہی اپنے اخبار کا ضمیمہ نکال کر اس بات کی تردید کرنی پڑے گی کہ یہ خبر آپ کو براہِ راست کسی ذمہ دار آفیسر سے ملی تھی۔ آپ پولیس کے حوالے سے یہ لکھنے کے مجاز ہوں گے کہ سب انسپکٹر کا حلیہ لٹیرے سے مطابقت رکھتا ہے۔"

"ہم ضرور نکالیں گے ضمیمہ۔" ایڈیٹر نے پُرمسرت لہجے میں کہا۔ "اگر نہ نکالا تو خسارے میں رہیں گے لیکن ایک رعایت چاہوں گا۔ یہ تردیدی خبر صرف ہمارے ہی اخبار کے لئے مخصوص ہونی چاہئے۔ پریس کے لئے اسے عام نہ کیا جائے۔"

"چلئے.... یہی سہی۔" ایس۔پی مسکرایا۔

وہ لوگ رخصت ہوگئے۔ کچھ دیر بعد ایس۔پی نے حمید سے کہا۔ "وہ ہاتھ نہیں آسکا۔"

"اس کا پھرتیلا پن مجھے حیرت میں ڈال دیتا ہے۔" حمید آہستہ سے بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر وہ خبر اس لٹیرے ہی نے شائع کرائی تھی تو اس کا مقصد کیا تھا؟

خبر کے مطابق ریالٹو میں مردہ پائے جانے والے آدمی اور اس لٹیرے کے درمیان کوئی گہرا

تعلق تھا۔ یہ واقعہ بھی ظاہر کر دیا گیا تھا کہ بینک آف کینیڈا کی ڈکیتی کی اطلاع قبل از وقت اُسی آدمی سے ملی تھی جس کی لاش ریالٹو میں پائی گئی تھی۔ وہ گروہ کے سرغنہ کے متعلق کوئی اہم بات جانتا تھا جس کا علم اس لٹیرے کو بھی ہے۔ اگر وہ کسی طرح پولیس کے ہاتھ آجائے تو گروہ کا سرغنہ بہ آسانی پکڑا جاسکے گا اور پھر اس کی شخصیت راز نہ رہ سکے گی۔

غرضیکہ خبر کے تیور ایسے تھے کہ اس پر دھمکی ہی کا گمان ہوتا تھا۔ تو پھر فریدی کا یہ خیال درست ہی ہوسکتا تھا کہ لٹیرا اس گروہ کے نامعلوم سربراہ کو بلیک میل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

"اب تمہیں تارجام جانا ہے۔" ایس۔ پی کچھ دیر بعد اٹھتا ہوا بولا۔ "فریدی نے فون پر کہا تھا۔ طاہر اور زیدی سے ملو۔ تمہیں طاہر کی جگہ لینی ہے کیونکہ وہ بخار میں مبتلا ہو گیا ہے۔"

حمید اٹھ گیا۔ وہ دروازے سے نکل ہی رہے تھے کہ فون کی گھنٹی پھر بجی اور ایس پی کچھ بڑبڑاتا ہوا میز کی طرف پلٹ گیا۔

کال ریسیو کرتے وقت حمید نے اس کے چہرے پر جذباتی ہیجان کے آثار دیکھے۔ وہ سنتا رہا۔ پھر ریسیور رکھ کر حمید کی طرف مڑا۔

"چلو.... میرے ساتھ۔" اُس نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "تارجام کے اسٹیشن انچارج کی کال تھی۔ سر سجاد کی کوٹھی کا محاصرہ کرلیا گیا ہے۔ زیدی نے وہاں کسی کی موجودگی کی اطلاع دی تھی۔ انچارج کا خیال ہے کہ زیدی نے غلطی نہیں کی۔"

یہ خبر اور زیادہ ہیجان انگیز ثابت ہوئی۔ تو گویا کھیل ختم ہونے والا ہے۔ حمید نے سوچا وہ اُس آدمی کے علاوہ اور کون ہوگا، جو پہلے بھی کوٹھی میں داخل ہونے کی کوشش کرتا رہا ہے۔ ایک بار تو زیدی اور طاہر سے بھی ٹکراؤ ہو گیا تھا۔

کچھ دیر بعد ایس۔ پی کی کار تارجام والی سڑک پر تیز رفتاری کے ریکارڈ توڑ رہی تھی۔

گرفتاری

حمید محاصرے کا انداز دیکھ کر بوکھلا گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے یہ سارا انتظام ایک پوری بٹالین کے لئے کیا گیا ہو۔ مسلح پولیس کے جوانوں نے اس طرح پوزیشن لے رکھی تھی جیسے عمارت کے اندر ہر کھڑکی اور دروازے پر کم از کم ایک آدمی ضرور موجود ہو گا۔

حمید نے اس پر حیرت ظاہر کرنے کا ارادہ ترک کر دیا کیونکہ اسٹیشن انچارج ایس پی سے کہہ رہا تھا۔ اس کے پاس ٹامی گن ہے جناب۔ اس محاصرے کو ڈھائی گھنٹہ گذر چکا ہے۔ ایک بار اس نے راستہ بنانے کے لئے فائرنگ بھی کی تھی۔

"فائرنگ کو کتنا عرصہ گذرا ہے۔" ایس پی نے پوچھا۔

"تقریباً دو گھنٹے۔"

"وہ نکل بھی گیا ہوگا۔" حمید بول پڑا۔

"ناممکن.....!" انچارج نے پُر اعتماد لہجے میں کہا۔ "چاروں طرف آدمی موجود ہیں۔"

"تو یہ سلسلہ کب تک جاری رہے گا۔" ایس۔پی نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔ لیکن قبل اس کے انچارج کوئی جواب دیتا حمید بول پڑا۔ "میں ختم کئے دیتا ہوں یہ سلسلہ۔"

"کس طرح.....!" ایس۔پی نے حمید کو تیکھی نظروں سے دیکھ کر پوچھا۔

"خواہ کوئی صورت اختیار کرنی پڑے۔ ورنہ کچھ دیر بعد اندھیرا پھیل جائے گا۔ پھر اُسے کون روک سکے گا۔"

ایس پی کچھ نہ بولا۔ یہ عمارت حمید کی اچھی طرح دیکھی بھالی ہوئی تھی۔ وہ عقبی حصے کی طرف آیا۔ ایس۔پی اور انچارج بھی ساتھ ہی تھے۔

"اتنے دروازے تھے، ان میں سے کوئی بھی توڑا جاسکتا تھا۔" حمید بڑبڑایا۔ وہ اس دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا، جو جنگل کی طرف کھلتا تھا۔

"یہ بھی کر کے دیکھ لیا گیا ہے۔" انچارج بیزاری سے بولا۔ "جس دروازے پر بھی ضربیں پڑتی تھیں اسی کے پیچھے وہ آموجود ہوتا تھا۔ دھمکی یہی ہوتی تھی کہ وہ تو جان دینے پر تل ہی گیا ہے۔ دروازہ توڑنے والوں میں سے ایک بھی زندہ نہ بچے گا۔ اب آپ خود سوچئے ٹامی گن کے سامنے.....!"

"ختم کرو۔" ایس۔پی غرایا اور حمید سے بولا۔ "ہاں تو تم کیا کرو گے۔"

"اس پائپ کے سہارے چھت پر پہنچنے کی کوشش کروں گا۔" حمید نے اس موٹے سے پائپ کی طرف اشارہ کیا جو چھت سے بارش کے پانی کے اخراج کے لئے لگایا گیا تھا۔

"ٹامی گن ہے اس کے پاس۔" ایس۔پی نے گویا یاددہانی کرائی۔

"اسے الجھائے رکھا جاسکتا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ پہلے بھی یہی تدبیر کیوں نہیں اختیار کی گئی۔ دراصل ہمارے آدمی اس کی کہانیاں سن سن کر مرعوب ہوگئے ہیں۔ ورنہ دو دو جوان ہر!

دروازے پر لگادیئے جاتے کوئی نہ کوئی تو ٹوٹ ہی جاتا۔ آنسو گیس استعمال کی جاسکتی تھی۔"

"یہاں ہمارے پاس سامان نہیں تھا۔" انچارج کا موڈ بگڑتا جارہا تھا۔ پھر یک بیک اس نے سنبھالا لے کر کہا۔ "میں اسے زندہ گرفتار کرنا چاہتا تھا۔ اتنا بڑا مجرم.....!"

"خیر..... بہر حال.... ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ کچھ آدمی اس دروازے پر ضربیں لگاتے رہیں۔ وہ ادھر متوجہ ہو جائے گا۔ بس اتنی ہی دیر اُسے الجھائے رکھنا ہے کہ میں اوپر پہنچ جاؤں۔ ویسے خیال تو یہ ہے کہ وہ نکل ہی گیا ہوگا۔"

"میں کہہ رہا ہوں ناکہ بندی کی کڑی نگرانی کی گئی ہے۔" انچارج کے لہجے میں پھر جھلاہٹ پیدا ہو گئی۔

حمید کا اضطراب بڑھتا جارہا تھا۔ اس نے سوچا اگر وہ اس کی سرکردگی میں پکڑ لیا گیا تو کم از کم فریدی کو کبھی کبھی یاد لانے کیلئے تو ہو ہی جائے گا کہ ایک بڑے مجرم پر اس نے بھی ہاتھ ڈالا تھا۔
دو آدمی دروازے کی دونوں جانب کھڑے کر دیئے گئے اور ہدایت کر دی گئی کہ وہ رائفلوں کے کندے دروازے پر مارتے رہیں۔ حمید جوتے اتار کر دیوار کے قریب آگیا تھا۔ دوسرے ہی لمحے میں اس نے پائپ پکڑ کر اوپر چڑھنا شروع کر دیا اور ساتھ ہی دروازے پر رائفل کے کندے پڑنے لگے۔ اوپر پہنچ جانے کے بعد بھی وہ ضربوں کی آوازیں سنتا رہا۔

❁

کرنل فریدی طوفان کی سی تیز رفتاری سے اپنی گاڑی وہاں تک لایا تھا۔ اُسے اس محاصرے کی اطلاع دیر سے ملی تھی۔ لیکن پھر بھی وہ ٹھیک اُسی وقت وہاں پہنچا تھا جب حمید عمارت کی پشت پر انچارج اور ایس۔پی سے گفتگو کر رہا تھا۔ لیکن وہ ان کی طرف نہیں گیا۔ یہ معلوم ہوتے ہی کہ محاصرے کو ڈھائی گھنٹے گذر چکے ہیں اس نے جنگل کی طرف دوڑنا شروع کر دیا۔
تقریباً ڈیڑھ فرلانگ تک دوڑتے رہنے کے بعد اس کی رفتار سست ہوگئی اور پھر وہ آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ یہاں چاروں طرف جھاڑیوں سے ڈھکے ہوئے چھوٹے چھوٹے ٹیلے بکھرے پڑے تھے۔
وہ ایک جانب نشیب میں اترتا چلا گیا۔ لیکن جیسے ہی ایک ٹیلے کے قریب رکا ہلتی ہوئی جھاڑیوں سے آواز آئی۔ "میرے ہاتھ میں ٹامی گن ہے۔"
فریدی نے بے تحاشہ چھلانگ لگائی اور قریب ہی کے دوسرے ٹیلے کی اوٹ میں جاگرا۔
وہ جھاڑیوں کی سرسراہٹ سن رہا تھا۔ لیکن جھاڑیوں پر فائر کرنے کے لئے اسے ٹیلے کی اوٹ

سے نکل آنا پڑتا.... پھر وہ تو پہلے ہی سن چکا تھا کہ مجرم کے پاس ٹامی گن جیسا مہلک حربہ موجود ہے۔ ویسے اُس نے ریوالور تو نکال ہی لیا تھا۔

یک بیک اُس نے ریوالور زمین پر ڈال دیا اور بڑے بڑے پتھر اٹھا کر دوسرے ٹیلے کی طرف اچھالنے لگا۔ دوسرے ہی لمحے میں اس نے غصیلی آواز میں ایک گندی سی گالی سنی لیکن کچھ بولا نہیں۔

پھر ٹامی گن کے فائروں سے جنگل گونجنے لگا۔ گولیاں فریدی سے صرف ڈیڑھ گز کے فاصلے سے گذر رہی تھیں۔ اس نے تیزی سے بائیں جانب بڑھنا شروع کیا۔ اب اُسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کس جگہ سے فائر کر رہا ہو گا۔

کچھ دور چل کر وہ پھر رکا اور سینے کے بل رینگتا ہوا اسی ٹیلے پر چڑھنے لگا جس کی اوٹ سے فائرنگ ہو رہی تھی۔ اُسے خدشہ تھا کہ کہیں عمارت کا محاصرہ کرنے والے دستے کے کچھ جوان ادھر بھی نہ دوڑ پڑیں۔ ایسی صورت میں دشواریاں پیدا ہو سکتی تھیں۔ اسے قطعی توقع نہیں تھی کہ اس طرف آنے پر مجرم سے مڈبھیڑ ہو جائے گی۔ وہ تو محض اس لئے آیا تھا کہ جدوجہد کا کوئی پہلو باقی نہ رہ جائے۔ سر سجاد نے اُسے عمارت کے تہہ خانوں سے متعلق سب کچھ بتا دیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اُن سے ایک راستہ سرنگ کی شکل میں جنگل کی طرف بھی گیا ہے وہ اس راستے سے گذر بھی چکا تھا لیکن حمید اس سے لاعلم تھا۔ ورنہ وہ بھی یہاں پہنچنے پر جنگل ہی کا رخ کرتا۔

یک بیک فائرنگ بند ہو گئی۔ فریدی ٹیلے پر پہنچ چکا تھا اُس نے لیٹے ہی لیٹے دوسری جانب جھانکا لیکن ٹھیک اسی وقت پشت سے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں بھی آئیں اور اس نے فائرنگ کرنے والے کو انہیں جھاڑیوں کی طرف پلٹتے دیکھا جو سرنگ کے دہانے پر جھکی ہوئی تھیں۔ فریدی نے اس کی پرواہ کئے بغیر کہ اُس کے ہاتھوں میں ٹامی گن ہے اوپر ہی سے چھلانگ لگا دی۔ فائرنگ کرنے والا اس کے نیچے دب کر کراہا۔ ٹامی گن فریدی کے پیروں کے قریب پڑی ہوئی تھی۔

❁

حمید چھت پر پہنچ گیا تھا۔ لیکن نہ تو ابھی تک دروازہ توڑنے والوں کو دھمکی ملی تھی اور نہ فائروں کی آوازیں ہی سنائی دی تھیں۔ پوری عمارت کسی ویران مقبرے کی طرح سنسان تھی۔ وہ نیچے اتر گیا۔ دروازے پر اب بھی رائفل کے کندے بج رہے تھے۔ اس نے بڑی تیزی سے ایک

ایک کمرہ دیکھنا شروع کیا۔ پھر ہال میں آیا۔ تہہ خانے کا راستہ کھلا ہوا تھا۔ تو وہ تہہ خانے ہی میں ہو گا۔ اس نے سوچا، لیکن وہ تنہا تہہ خانے میں اترنے کا خطرہ نہیں مول لینا چاہتا تھا۔

ہال کے سارے دروازے باہر سے بھی بولٹ کئے جا سکتے تھے۔ اس نے بڑی پھرتی سے انہیں بند کیا اور پھر اُسی دروازے کی طرف پلٹ آیا جس پر اب بھی رائفل کے کندے برس رہے تھے۔

"ٹھہر جاؤ۔" اس نے بلند آواز میں کہا اور دروازہ کھولنے لگا۔ دروازہ کھلتے ہی انچارج اور ایس۔ پی اس کی طرف جھپٹے۔

"وہ شاید تہہ خانے میں اتر گیا ہے۔" حمید نے کہا۔

"ایس۔ پی نے وہاں کسی تہہ خانے کی موجودگی پر حیرت ظاہر کی۔ فریدی نے سر سجاد والا معاملہ اپنی اور حمید ہی کی ذات تک محدود رکھا تھا۔

پھر وہ کوئی فیصلہ کرنے ہی والے تھے کہ جنگل کی طرف سے ٹامی گن کی فائروں کی آوازیں آئیں۔

"یہ کیا مصیبت۔" انچارج مڑ کر آنکھیں پھاڑنے لگا۔

سورج غروب ہونے والا تھا۔

"تم کچھ جوانوں کو لے کر اُدھر جاؤ۔" ایس پی نے اس سے کہا۔ "ہم ادھر دیکھتے ہیں۔"

"اگر وہ جنگل میں پہنچ گیا تھا تو چپ چاپ نکل ہی کیوں نہیں گیا۔" حمید بڑبڑایا۔

"چلو.... چلو.... غور و فکر کا وقت نہیں ہے۔" ایس۔ پی دروازے میں داخل ہوتا ہوا بولا۔

آٹھ دس مسلح کانسٹیبل بھی اُن کے ساتھ تھے۔ وہ ہال میں آئے اور پھر رک گئے۔

غالباً ایس۔ پی بھی سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ اندھا دھند فائرنگ نہ شروع کر دے۔ پھر حمید آگے بڑھا۔ ایس۔ پی خاموش کھڑا رہا۔ حمید نے تہہ خانے کے دروازے میں ہاتھ ڈال کر ایک فائر کیا۔ پھر کچھ دیر کے لئے خاموشی چھا گئی۔ تہہ خانے سے کسی قسم کی بھی آواز نہیں آئی تھی۔

ایس۔ پی اس کے قریب پہنچ کر آہستہ سے بولا۔ "میرا خیال ہے کہ یہاں آنسو گیس ہی کارآمد ہو گی، ورنہ مجھے یقین ہے کہ جیسے ہی اندر اترے وہ فائرنگ شروع کر دے گا۔"

"میں یہ خطرہ مول لے سکتا ہوں۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"میری موجودگی میں نہیں۔" ایس۔ پی کا لہجہ غصیلا تھا۔

یک بیک حمید نے اندرونی زینوں پر قدموں کی چاپ سنی اور تیزی سے کھسک کر ایک

طرف ہوتا ہوا، ایس پی کی طرف مڑا۔ اس کی انگلی ہونٹوں پر تھی۔ ایس پی نے کانسٹیبلوں کو ہوشیار رہنے کا اشارہ کیا۔ وہ میزوں اور کرسیوں کی آڑ سے پوزیشن لینے لگے۔ ایس۔پی بھی فرش پر ابھرے ہوئے دروازے کی دوسری جانب کھڑا ہو گیا تھا۔

دفعتاً ایک نقاب پوش دروازے میں نظر آیا۔ وہ خالی ہاتھ تھا۔ حمید نے ریوالور والا ہاتھ آگے بڑھا کر کہا۔ ”خبردار۔“

”پرانی بات ہوئی۔“ نقاب پوش کے عقب سے آواز آئی۔ ”یہ غیر مسلح ہے۔“

حمید بوکھلا گیا۔ کیونکہ آواز فریدی ہی کی تھی۔ ایس۔پی بھی سامنے آ گیا۔ نقاب پوش آگے پیچھے جھول رہا تھا۔ شاید وہ بہت زیادہ زخمی ہو گیا تھا۔ سر سے بہے ہوئے خون کے دھبے تو سارے کپڑوں پر نظر آ رہے تھے۔

فریدی نے اُسے دھکا دیا اور وہ باہر نکل کر فرش پر آ پڑا۔

”آپ کہاں۔“ ایس۔پی بھونچکا رہ گیا تھا۔

”ایک منٹ کی بھی دیر ہوتی تو ہم اس کی گرد کو بھی نہ پا سکتے۔“ فریدی نے کہا۔

کانسٹیبلوں نے نقاب پوش کو گھیرے میں لے لیا تھا۔ فریدی نے چند لمحے اس کی طرف دیکھتے رہنے کے بعد کہا۔ ”تہہ خانے سے ایک سرنگ جنگل کی طرف بھی گئی ہے۔ یہاں پہنچنے پر جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ محاصرہ ڈھائی گھنٹے سے جاری ہے تو مجھے یقین ہو گیا تھا کہ وہ نکل گیا ہو گا۔ لیکن پھر بھی میں احتیاطاً وہیں چلا گیا جہاں سرنگ ختم ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے اسے تہہ خانے میں سرنگ کا راستہ تلاش کرنے میں دیر لگی ہو۔ ورنہ یہ اتنا احمق تو نہیں ہو سکتا کہ ڈھائی گھنٹے تک یہاں پڑا اونگھتا رہتا۔“

”یہ ہے کون۔“

”میں نے تو ابھی تک نہیں دیکھا۔“ فریدی نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

پھر جیسے ہی ایک کانسٹیبل نے اس کے چہرے سے نقاب ہٹایا، حمید بے ساختہ چیخ پڑا۔ ”میجر سعید۔“

میجر سعید غالباً زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے بیہوش ہو گیا تھا۔

فریدی کے ہونٹوں پر تلخ سی مسکراہٹ تھی۔

دوسرے دن صبح کے اخبارات کے لئے بہتیرے لوگ مارے مارے پھر رہے تھے۔ کیونکہ پریس سے باہر آنے کے بعد ہر اخبار کی کاپیاں ایک گھنٹے کے اندر ہی اندر فروخت ہو گئی تھیں۔

وہ مجرم پکڑ لیا گیا تھا جس کی وجہ سے بینک آف کینیڈا کی ڈکیتی کے بعد شہر میں دہشت پھیل گئی تھی۔ اس کا طریق کار ایسا تھا کہ ان دنوں بینکوں کے آس پاس کی عمارتیں خالی ہونی شروع ہو گئی تھیں اور دولت مند طبقہ تو بُری طرح سہار ہا تھا۔

اخبارات نے کرنل فریدی کے اس کارنامے پر مختلف زاویوں سے روشنی ڈالی تھی۔ لیکن خود کرنل فریدی کی پیشانی پر تفکر کی گہری لکیریں اب بھی موجود تھیں۔

میجر سعید کی کوٹھی سے بہت زیادہ قوت والے تین ڈائنامائیٹ بھی برآمد ہوئے تھے اور مختلف قسم کی منشیات کا ایک بہت بڑا ذخیرہ بھی ہاتھ لگا تھا اور یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی تھی کہ اس کے بزنس میں منشیات کا ناجائز کاروبار بھی شامل تھا۔

"پھر اب آپ کس فکر میں ہیں۔" حمید نے اس سے پوچھا۔

"میں کیسے ثابت کروں کہ بینک آف کینیڈا کی ڈکیتی میں اسی کا ہاتھ تھا۔ انتہائی تشدد کے باوجود بھی اُس نے اس کا اعتراف نہیں کیا۔"

"اور وہ ڈائنامائیٹ۔"

"ہاں! وہ ٹامی گن۔ وہ ڈائنامائیٹ اور منشیات کا وہ ذخیرہ.... سبھی کچھ ہے لیکن یہ چیزیں اسے پھانسی کے تختے تک نہیں پہنچا سکتیں! ٹامی گن کی فائرنگ سے کوئی زخمی نہیں ہو سکا تھا۔"

"آخر وہ سر سجاد کی کوٹھی میں کیا کر رہا تھا۔"

"اس کا جواب بھی نہیں دیا اُس نے اور نہ یہی تسلیم کرنے پر تیار ہے کہ اس نے سر سجاد کو قتل کرایا تھا۔"

"اوہ.... سر سجاد! مگر اب کیوں وہ سامنے آنے سے گریز کر رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اخبارات بھی اس سلسلے میں خاموش ہی ہیں۔ ظاہر ہے اس کا انحصار تو صرف آپ ہی پر ہے۔"

"تم کب سے نہیں گئے اس کے گھر۔"

"شاید تین دن ہوئے گیا تھا۔"

"وہ بہت بیمار ہے۔ گٹھیا اور نروس بریک ڈاؤن کا حملہ ایک ساتھ ہوا ہے۔ چل پھر نہیں

سکتا۔ اپنی بیٹی کو ہی موت پر روتے دیکھنا کیسی عجیب سچویشن ہو سکتی ہے۔ مضبوط ترین قوت ارادی کے لوگ بھی پاگل ہو سکتے ہیں۔''

''مگر اب کیا دشواری ہے اُسے ظاہر کرنے میں۔''

''رضوانہ کو مجبوراً بتادیا گیا ہے، لیکن وہ ابھی تک نوکر ہی کے میک اپ میں ہے! میں فی الحال اس کی خرابی صحت کی بناء پر مناسب نہیں سمجھتا کہ اُس کا راز ظاہر کیا جائے۔ بڑی بھیڑ اکٹھا ہو جائے گی اُس کے گرد اور پھر یہ ویسے بھی بڑی غیر دانشمندانہ حرکت ہو گی کیونکہ ابھی تک اس کے سلسلے میں ملزم نے اقبال جرم نہیں کیا۔ میں خود بعض نئی الجھنوں میں پڑ جاؤں گا۔''

''پھر آخر وہ کیسے اقبالِ جرم کرے گا۔''

''جہنم میں جائے۔'' فریدی جھنجھلا گیا۔ ''تم سے تو اتنا بھی نہیں ہو سکتا کہ اس لٹیرے ہی کو ڈھونڈ نکالو۔''

''اسے بھی آپ ہی ڈھونڈھ نکالیں گے۔'' حمید نے بُرا سا منہ بنایا۔ ''میں اگر کبھی کچھ کرنا بھی چاہتا ہوں تو آپ گویا آسمان ہی سے ٹپک پڑتے ہیں۔ اب میجر سعید ہی کے معاملے کو لے لیجئے، میں تو سمجھتا تھا کہ میں ہی ہاتھ ماردوں گا مگر تہہ خانے سے برآمد ہوئے آپ! اگر آپ نے مجھے سرنگ کے متعلق بتادیا ہوتا تو کیا حرج تھا۔''

''خیال نہیں رہا تھا! ہاں تو اب وہ لٹیرا ہی آخری کارڈ ہے۔''

''پچھلی شام آپ اُس کے پیچھے تھے وہ ہماری گفتگو سن چکا ہے۔ اس لئے شاید ہی ہاتھ آسکے۔ مگر اب وہ بلیک میل کسے کرے گا۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ سگار سلگا رہا تھا۔ لیکن گہرے تفکر کے آثار اب بھی اس کے چہرے پر نظر آرہے تھے۔

''کیا سر سجاد کو میجر سعید کے متعلق معلوم ہو چکا ہے۔''

''ہاں! رضوانہ کی حماقت سے۔ میں نے تو چاہا تھا کہ اسے ابھی نہ بتایا جائے! سنتے ہی غشی کا دورہ پڑ گیا تھا۔''

حمید پھر خاموش ہو کر سوچنے لگا۔ واقعی اس سے بڑی بے بسی اور کیا ہو گی کہ مجرم ہاتھ آگیا ہے لیکن کسی خاص معاملے میں اُس کے خلاف کوئی ثبوت بہم نہیں پہنچایا جاسکتا۔

''تو گویا یہ کیس صحیح معنوں میں آپ کی ذہانت کی کسوٹی ثابت ہو گا۔'' اُس نے کچھ دیر بعد کہا۔

''دیکھو.....!'' فریدی نے لاپروائی سے کہا اور اٹھ گیا۔

اُسی شام کو حمید نے سوچا۔ اب رضوانہ سے ضرور ملنا چاہئے۔ ہو سکتا ہے اب اس کی قنوطیت رفع ہو گئی ہو۔ ممکن ہے اب بسورتے ہوئے ہونٹوں پر مسکراہٹوں کی لرزشیں دکھائی دیں۔

اُس کے خدوخال بڑے دلکش تھے۔ لیکن غم کی پرچھائیاں انہیں بگاڑ کر رکھ دیتی تھیں۔

کوٹھی میں پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ رضوانہ نئے بیمار ملازم کو سر سجاد کی خواب گاہ میں اٹھوالے گئی ہے۔ اطلاع دینے والے ملازم نے ایسے تشویش کن لہجے میں اس کا تذکرہ کیا تھا جیسے غم کی زیادتی کی وجہ سے اس کی دانست میں رضوانہ کا دماغ ہی خراب ہو گیا ہو۔

بادی النظر میں بات تھی بھی اچنبھے کی۔ بھلا بیمار ملازم کو مالک کی خواب گاہ میں کیا سروکار۔ جبکہ سرونٹس کوارٹر ہی خاصے آرام دہ تھے۔ اتنی انسانیت تو ان بیچاروں نے بڑے بڑے اللہ والوں میں بھی نہیں دیکھی تھی۔

حمید نے اپنی آمد کی اطلاع اندر بھجوائی اور رضوانہ نے اسے وہیں بلوالیا جہاں وہ سر سجاد کی تیمارداری میں مصروف تھی۔

سر سجاد جاگ رہا تھا۔ اس نے خفیف مسکراہٹ کے ساتھ اسے خوش آمدید کہی۔

رضوانہ نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "مجھے آپ سے شکایت ہے کیپٹن! آپ مجھے روتے دیکھتے رہے لیکن اشارۃً بھی کبھی کچھ نہ بتایا۔"

"یہ سب کچھ تو سر سجاد خود ہی دیکھتے اور برداشت کرتے رہے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"ختم کرو۔" سر سجاد ہاتھ اٹھا کر نحیف سی آواز میں بولا۔ "اس کا تذکرہ بھی میرے لئے تکلیف دہ ہے۔"

حمید نے مسکرا کر رضوانہ کی طرف دیکھا اور پھر سر سجاد سے پوچھا۔ "کبھی آپ کو میجر سعید پر شبہ بھی ہوا تھا۔"

"ہرگز نہیں! میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔"

"آخر اس نے آپ پر قاتلانہ حملہ کیوں کرایا۔"

"وہ کیا کہتا ہے۔"

"اُس نے آپ کے معاملے میں قطعی طور پر زبان بند کرلی ہے۔"

"اُوہ.... تو پھر مجھے خود ہی دیکھنا پڑے گا کہ ایسا کیوں ہوا تھا۔"

"ڈیڈی خدا کے لئے ابھی خود کو الجھنوں میں نہ ڈالئے۔" رضوانہ نے کہا۔

سر سجاد گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر کراہا۔ وہ چت لیٹا ہوا تھا اور پیر سکوڑ رکھے تھے۔

"دیکھو! اب یہ پیر کبھی پھیلتے بھی ہیں یا نہیں۔" سر سجاد پھر کراہا۔ "خدا رحم کرے مجھ پر۔"

"اوہ تو کیا پیر نہیں پھیلا سکتے۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"قطعی نہیں! اس سے پہلے کبھی مجھے اس قسم کی کوئی شکایت نہیں ہوئی۔"

"ڈاکٹر کا خیال کیا ہے۔"

"خود اُسے بھی حیرت ہے کہ اچانک اس مرض کا حملہ کیسے ہوا۔ جبکہ پہلے سے علامات بھی موجود نہیں تھیں۔"

"ڈیڈی! بھوک تو نہیں لگی۔" رضوانہ نے پوچھا۔

"ہاں کچھ ہے تو.... مگر صرف شوربہ۔"

رضوانہ کمرے سے چلی گئی۔ حمید خاموش بیٹھا رہا۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ جان ہتھیلی پر رکھ کر کوٹھی میں کیوں گھسا تھا جبکہ ایک بار پہلے بھی وہ وہاں میرے محکمے کے دو آفیسروں سے ٹکرا چکا تھا۔"

"کیا اس سے پہلے بھی۔" سر سجاد کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جی ہاں! کیا کرنل نے آپ کو نہیں بتایا۔"

"جی نہیں....!"

حمید نے طاہر اور زیدی والا واقعہ دہرایا اور سر سجاد کچھ دیر بعد بولا۔ "سعید کتوں کا بڑا اچھا ٹرینر ہے۔"

"حملہ آور کی کہانی سننے کے بعد بھی آپ کا ذہن میجر سعید کی طرف نہیں گیا تھا۔"

"ہرگز نہیں۔ بھلا کیوں جاتا۔ ایسی تو کوئی بات ہی نہیں تھی۔ ہاں ہمارا کچھ بزنس ایسا ضرور ہے جس کے معاہدات کی رو سے ایک دوسرے کے ورثاء حقدار نہیں ہو سکتے۔ مگر یہ تو ایک جوا تھا باہمی سمجھوتہ تھا۔ ہم دونوں ہی جوئے کے شائق ہیں۔ ہم میں تو معمولی معمولی باتوں پر ہار جیت ہوتی رہتی تھی۔"

"اُسے فینوں سے تو دلچسپی نہیں تھی۔"

"کیوں؟"

حمید جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دفعتاً رضوانہ دوڑتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔

"وہ.... وہ.... کیپٹن....!" رضوانہ بُری طرح ہانپ رہی تھی۔ "وہ پھر لائبریری میں موجود

ہے۔"

"کون....!" حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"وہی لٹیرا۔"

"اوہ....!" حمید دروازے کی طرف جھپٹا۔ رضوانہ بھی اُسکے ساتھ تھی۔ سر سجاد اُسے آوازیں ہی دیتا رہ گیا۔ دونوں ساتھ ہی لائبریری میں داخل ہوئے۔ لیکن آج پھر حمید غیر مسلح ہی تھا۔

لٹیرا بڑے خوشنما اسٹائیل میں ان کی طرف مڑا۔

"آج آپ غالباً توپ باندھ لائے ہوں گے کپتان صاحب۔" اس نے تضحیک آمیز انداز میں ہنس کر کہا۔

"میں آج بھی نہتا ہوں لیکن تم بچ کر نہیں جاسکو گے۔" حمید دروازہ بند کرتا ہوا بولا۔

"لڑکیوں کی موجودگی میں انتہائی سنجیدہ لوگ بھی شیخیاں بگھارنے لگتے ہیں۔"

"بہتری اسی میں ہے کہ خود کو قانون کے حوالے کردو۔ ابھی تک تمہارے خلاف کوئی سنگین الزام نہیں ہے۔"

"سر سجاد اُسی رات قتل کر دیئے گئے۔ جب میں نے ان کی میز پر کھانا کھایا تھا اسے آپ کیوں بھول رہے ہیں کپتان صاحب۔"

"میں پھر کہتا ہوں کہ اپنا کھیل ظاہر کردو۔ تم یہاں کیوں آتے ہو۔"

"اور اسی وقت آتا ہوں جب آپ کی موجودگی کا بھی امکان ہو جناب۔ میرے کھیل عموماً لمبے ہوتے ہیں اس لئے میں نہ خود پتے شو کرتا ہوں اور نہ شو کراتا ہوں۔ اس وہم میں بھی نہ پڑیئے گا.... کہ....!"

"میجر سعید کو بلیک میل کرنے کے امکانات ختم ہو چکے ہیں۔ وہ گرفتار کر لیا گیا ہے۔"

"میرے لئے نئی اطلاع ہے کپتان صاحب۔ پتہ نہیں آپ نے کس گدھے کو میجر سعید کے دھوکے میں پکڑ لیا ہے۔ اس کا ایک سوتیلا بھائی بھی اُسی کا ہمشکل ہے.... میجر سعید نے اُسی کو داؤ پر لگایا تھا۔"

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔" یک بیک بائیں جانب سے آواز آئی۔ حمید چونک کر مڑا۔ تھوڑے ی فاصلے پر ایک آدمی سر تا قدم سیاہ رنگ کے چست لباس میں ملبوس ریوالور تانے کھڑا تھا۔ وہ ،الباً بڑی الماری کے پیچھے سے نکلا تھا۔ چہرے پر صرف آنکھوں کی جگہ دو سوراخ نظر آرہے تھے۔

"تم سب ہاتھ اٹھاؤ۔" اس نے گرجدار آواز میں کہا۔ حمید اور رضوانہ کے ہاتھ بھی اٹھ گئے۔

"تم کون ہو۔" حمید کی زبان سے بیساختہ نکلا۔

"بکو مت! دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ۔"

"کیا بکتے ہو۔" حمید آنکھیں نکال کر دہاڑا۔

"دھیرج کپتان صاحب۔" لٹیرے نے آہستہ سے کہا اور پھر نامعلوم آدمی سے بولا۔

"تم کیا چاہتے ہو۔"

"تمہاری موت۔"

"اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ جس طرح وہ سارے ثبوت میرے پاس آئے تھے اسی طرح وہ اب ایک تیسرے آدمی کے پاس ہیں! تم مجھے گولی مار دو، کل سے وہ تمہارے پیچھے لگ جائے گا۔ اس لئے عقلمند بننے کی کوشش کرو۔ ورنہ اگر میں نے اس سرکاری جاسوس کا ساتھ دے دیا تو تم جہنم رسید ہو جاؤ گے.... گولی چلا کر بھی دیکھ لو۔ میں یونہی اتنے خطرات نہیں مول لیتا۔ کیا سوچ رہے ہو۔ اس بے چاری لڑکی کو تو جانے دو۔ مگر شاید تمہارے دل پر بھی تمہارے لباس ہی کا سایہ پڑ گیا ہے۔"

نقاب پوش کھسکتا ہوا پھر الماری کے قریب چلا گیا تھا۔ بایاں ہاتھ پیچھے لے جا کر اُس نے کسی میکنزم کو حرکت دی اور کمرے کے وسط میں فرش پر ایک بڑی سی خلاء نظر آنے لگی۔ بس ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے فرش کا ایک ٹکڑا بہت آہستگی سے نیچے دھنستا چلا گیا ہو۔

"چلو....!" نقاب پوش غرایا۔ "چپ چاپ نیچے اتر جاؤ تم تینوں۔"

رضوانہ بُری طرح کانپ رہی تھی۔ آگے بڑھنے میں لٹیرے ہی نے پہل کی۔ اس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے یہاں اُس تہہ خانے کی موجودگی پر حیرت ہوئی ہو۔

"پرواہ مت کرو۔" حمید نے رضوانہ سے کہا۔ "چلو....!"

وہ خود کو متردد یا پریشان نہیں ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ سامنے ہی زینے دکھائی دیئے، جن پر اچھی خاصی روشنی تھی۔ لٹیرا آگے تھا اس کے پیچھے رضوانہ تھی اور پھر حمید! نقاب پوش کہتا جا رہا تھا۔ "تمہاری ذرا سی لغزش تمہیں موت کے منہ لے جائے گی۔ لہٰذا زیادہ چالاک بننے کی کوشش مت کرنا۔"

نیچے پہنچ کر لٹیرے نے کہا۔ "بس اب جاؤ! اُس تیسرے آدمی کو تلاش کرو۔"

"تمہیں بتانا پڑے گا کہ وہ کہاں ملے گا۔" نقاب پوش غرایا۔ "تم مجھے بلف نہیں کر سکتے۔"

حمید چاروں طرف متجسسانہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے لٹیرے کو کہتے سنا۔ "سودا کر لو.... یہی بہتر رہے گا تمہارے لئے! جلدی کرو! یہی بہتر ہے! ورنہ تھوڑی ہی دیر میں کرنل

فریدی یہاں ہوگا.... اُوہ.... ہاہا.... آہی گیا۔"

نقاب پوش بوکھلا کر زینوں کی طرف متوجہ ہوا ہی تھا کہ لٹیرے نے اُس کے ریوالور پر ہاتھ ڈال دیا۔ ریوالور دور جا گرا اور نقاب پوش اُس سے لپٹ پڑا۔ حمید نے ریوالور پر قبضہ کر لینے میں دیر نہیں لگائی۔

"جاؤ.... رضوانہ.... تم ڈیڈی کے پاس جاؤ۔" حمید نے کہا۔

"ہاہا.... ڈیڈی۔" لٹیرے نے قہقہہ لگایا۔ اُس نے نقاب پوش کو فرش پر گرا دیا تھا اور اب کوشش کر رہا تھا کہ اس کی نقاب نوچ پھینکے۔

"ڈیڈی....!" رضوانہ کی چیخ بڑی دلخراش تھی۔ نقاب چہرے سے الگ ہو چکی تھی اور سر سجاد لٹیرے کے نیچے دبا ہوا بُری طرح ہانپ رہا تھا۔

"ہاں.... ڈیڈی! جو گٹھیا کے مریض تھے! بیچارے.... چلنے پھرنے سے معذور! جو اپنے جرم پر پردہ ڈالنے کے لئے شاید تمہیں بھی موت کی نیند سلانے سے گریز نہ کرتے۔"

"سس.... سمجھوتہ.... کرلو۔" سر سجاد ہانپتا ہوا بولا۔ "کیپٹن حمید تمہارے لئے بھی خطرناک ثابت ہوگا۔"

اس پر حمید نے قہقہہ لگایا اور ریوالور کو جھٹکا دیتا ہوا بولا۔ "اگر کسی نے اپنی جگہ سے جنبش بھی کی تو کھوپڑی میں سوراخ ہو جائے گا۔"

اُس کا ذہن گویا ہوا میں اڑا جا رہا تھا۔ اُس نے رضوانہ کو چکرا کر گرتے دیکھا لیکن اُسے ذرہ برابر بھی پرواہ نہ ہوئی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں اب عین موقع پر فریدی نہ آ ٹپکے۔ لیکن اُسے سوچنا پڑا کہ ان دونوں کو کیسے قابو میں کیا جائے۔

"دیکھا تم نے دیکھا....!" سر سجاد ہانپتا ہوا بولا۔ "احمق نہ بنو! پہلے اس سے نپٹو! پھر ہم مطمئن ہوں گے۔ میں تمہیں.... خوش.... کردوں گا۔"

"اس سے نپٹنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے سجاد کہ اس کی شادی کرادی جائے۔ یہ بالکل کیچوا ہوکر رہ جائے گا۔" لٹیرا ہنس کر بولا۔ لیکن اس بار حمید کو اپنی آنکھیں حلقوں سے نکلتی محسوس ہونے لگیں۔

ابھی تک وہ جس جذباتی ہیجان میں مبتلا رہا تھا۔ اُس پر تو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے برفباری ہوگئی ہو۔ یہ آواز بھلا کرنل فریدی کے علاوہ اور کس کی ہو سکتی تھی۔

اپنے وقت کا عجیب ترین آدمی کرنل فریدی....! آواز بدلنے کا ماہر۔ میک اپ کا ماہر۔ جس

نے کچھ ایسے لوشن ایجاد کئے تھے جن سے وقتی طور پر آنکھوں کی بناوٹ تک بدل جاتی تھی۔
سر سجاد اس کی گرفت میں بے بسی سے ہاتھ پیر مار رہا تھا۔ آواز کی اچانک تبدیلی اس نے بھی محسوس کر کے حیرت سے آنکھیں پھاڑ دی تھیں۔
"آپ....!" حمید گھٹی گھٹی سی آواز میں بولا۔
"ہاں.... میں۔" وہ سر سجاد کی دہشت زدہ آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔
"مجھ سے فراڈ کرنے کی کوشش ہمیشہ پھانسی کے تختے ہی کی طرف لے جاتی ہے سر سجاد! تم خوش تھے کہ مجھے اُلو بنانے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ تم مر گئے تھے لیکن میں شروع ہی سے لٹیرا بنا رہا تھا۔ تم تک پہنچنے کے لئے اس سے بہتر تدبیر اور کیا ہوتی۔"
"کک.... کرنل.... فریدی۔" سر سجاد ہکلا کر بولا۔
"اس میں شبے کی گنجائش نہ ہونی چاہئے۔" فریدی مسکرایا۔

❁

ایک بار پھر شہر میں بھونچال سا آگیا۔ بات ہی ایسی تھی۔ مقتول سر سجاد نہ صرف زندہ ہو گیا تھا بلکہ بینک آف کینیڈا کی ڈکیتی کا مجرم بھی وہی ثابت ہوا تھا۔ اس کی شہری کوٹھی کے تہہ خانے سے سونے کی ایسی اینٹیں برآمد ہوئی تھیں جن پر بینک آف کینیڈا کی مہریں تھیں۔ شائد اُسے انہیں پگھلا کر کسی دوسری شکل میں تبدیل کر دینے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ وافر تعداد میں غیر ملکی کرنسی بھی برآمد ہوئی تھی اور یہ بھی بینک آف کینیڈا ہی کی ملکیت تھی۔
دوسرے دن فریدی اپنے محکمے کے ایس۔پی سے کہہ رہا تھا۔ "اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ محض سیدھی سادی تفتیش اس تک کیسے پہنچ سکتی۔"
"تو اُس لٹیرے کا وجود سرے سے تھا ہی نہیں؟" ایس۔پی نے پوچھا۔
"جی نہیں۔ اس آدمی سے ڈکیتی کے پروگرام کی اطلاع ملتے ہی اور سرغنہ کا طریق کار معلوم ہوتے ہی لٹیرے کا رول ادا کرنا پڑا تھا۔ مقتول اس گروہ کا اہم ترین آدمی تھا۔ اس کے ذمہ یہ کام تھا کہ وہ سربراہ کے لئے معلومات فراہم کرے۔ مثلاً بینک آف کینیڈا کا نقشہ اُسی نے تیار کیا تھا اور نکاسی کے راستوں کا تعین بھی کیا تھا۔ یعنی وہ نقشہ اسی قسم کا تھا کہ اگر بینک کو چاروں طرف سے گھیر لیا جاتا تب بھی ڈاکہ یقینی طور پر پڑتا اور وہ لوگ صحیح و سلامت نکل بھی جاتے اور پھر اُس نے مجھے بتایا کہ وہ یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ نقشہ کس لئے تیار کرایا گیا ہے۔ اگر بینک آف

کینیڈا پر ڈاکہ ہی پڑا تو گروہ کے آدمیوں کو اس کا وقت نہیں معلوم ہو سکے گا کیونکہ سربراہ اصل کام خود ہی کرتا ہے۔ دوسرے صرف باہر کے انتظامات کے لئے ہوتے ہیں، عموماً انہیں یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ ان سے جو کام لیا جارہا ہے اس کا مقصد کیا ہے۔ وہ تو کچھ ہو جانے کے بعد ہی پتہ چلتا ہے کہ سربراہ کیا کر گذرا۔ بہرحال جب ہمارے ہی محکمے سے یہ بات پھیلی کہ بینک میں ڈاکہ پڑنے والا ہے تو وہ بیچارہ ٹھکانے لگا دیا گیا۔ اُسی نے مجھے گروہ کے دوسرے آدمیوں کے بارے میں بتایا تھا اور وہ سب میری نظروں میں تھے۔ لیکن سرگروہ تو اندھیرے ہی میں تھا۔ آپ اُس آدمی کی کہانی تو سن ہی چکے ہیں جسے سر سجاد نے میرے حوالے کیا تھا۔ کہانی سو فیصدی سچی تھی۔ یعنی وہ اپنے کام کے آدمیوں کا اسی طرح انتخاب کرتا تھا، اور مختلف طریقوں سے انہیں الجھائے رکھتا تھا اور ہر آدمی کو جو انڈر ٹریننگ ہو عام گروہ سے الگ ہی رکھتا تھا۔ گروہ میں اسی وقت شامل کرتا تھا جب وہ اس کے کسی امتحان میں پورے اترتے تھے۔ اُسے جس قسم کے آدمیوں کی تلاش رہتی تھی انہیں میں اُس لٹیرے کو بھی سمجھ لیجئے جو انوکھے انداز میں اپنی پبلسٹی کرا رہا تھا۔ مقصد یہی تھا کہ اس تک جا پہنچے۔ بس ایک بار سلسلہ جنبانی ہوتی اور میرا ہاتھ اس کی گردن تک پہنچ جاتا.... ہاں تو اس آدمی کے قتل کے بعد بھی ڈاکہ پڑ ہی گیا۔ میں سمجھتا تھا کہ اب وہ اس کی ہمت نہیں کرے گا۔ لیکن اس نے جو طریقہ اختیار کیا وہ شاید اس کے اعصاب پر بھی ناگوار اثر چھوڑ گیا تھا۔ بس اس کے بعد ہی سے اُس نے حماقتیں شروع کر دیں۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے بعد پولیس تیزی سے حرکت میں آجائے گی۔ اس لئے اس نے سوچا کہ کسی دوسرے کو پھانس کر خود اس چکر سے آزاد ہو جائے۔ اس کے لئے نظر انتخاب میجر سعید پر پڑی تھی.... ہاں یہ تو بتادوں کہ میں اُس رات اتفاقاً ہی لٹیرے کے روپ میں سر سجاد کی کوٹھی کی طرف جا نکلا تھا، چونکہ اس کے گروہ کے لوگ زیادہ تر تار جام ہی میں رہتے تھے اس لئے میں انہیں اطراف میں رہتا تھا۔ کبھی کبھی پبلسٹی کرانے کے لئے ایک آدھ کیس شہر میں بھی کر جاتا تھا۔ بہرحال اس وقت سر سجاد کی طرف خیال بھی نہیں جا سکتا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس لٹیرے کی کہانیاں سر سجاد کے کانوں تک بھی پہنچتی تھیں، مگر شائد وہ ان دنوں نئے گرگے پھانسنے کے سلسلے میں بہت زیادہ محتاط ہو گیا تھا۔ پھر بھی اس نے میری ذات سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کر ہی ڈالی تھی۔ جب میں کھانا کھا کر رخصت ہو گیا تو اس نے وہ پلاٹ بنا ڈالا، جو کچھ دیر پہلے آپ کو سنا چکا ہوں، حملہ آور بیچارے کو کیا معلوم تھا کہ اسے خود اسی آدمی پر حملہ کرنا پڑے گا جس نے اُسے ملازم رکھا ہے۔ ظاہر ہے کہ سر سجاد پہلے ہی سے ہوشیار تھا اس لئے بڑی آسانی سے حملہ آور کو قابو میں کر کے اس طرح غل غپاڑہ مچایا کہ

ملازموں نے کمروں سے نکلنے کی ہمت نہ کی! وہ پہلے ہی سے سہمے ہوئے تھے کیونکہ لٹیرے کے چلے جانے پر سر سجاد نے کسی ان دیکھے آدمی کو مخاطب کر کے کچھ اوٹ پٹانگ باتیں کی تھیں.... دوسری رات سر سجاد اتفاقاً ہاتھ نہیں لگا تھا بلکہ وہ سچ مچ میری ہی تلاش میں نکلا تھا اُس نے مجھے اپنی کہانی سنائی اور اس وقت کوئی وجہ نہیں تھی کہ میں اس پر یقین نہ کر لیتا۔ اب آیئے میجر سعید کی طرف۔ وہ منشیات کی ناجائز تجارت کرتا تھا اور اس سے کبھی ایک قتل بھی سرزد ہوا تھا۔ سر سجاد کے پاس اس کے خلاف بہتیرے ثبوت تھے اور اس نے اسے بلیک میل ہی کر کے اپنا بزنس پارٹنر بنایا تھا۔ اُسے شروع ہی سے کسی ایسے آدمی کی ضرورت تھی جسے وقت پڑنے پر کسی چکر میں پھنسا کر خود الگ ہو سکتا۔"

"مگر میجر سعید خود کو خطرے میں ڈال کر اس عمارت میں گھسنے کی کوشش کیوں کرتا رہا تھا۔" ایس۔ پی نے پوچھا۔

"وجہ تھی! اگر نہ ہوتی تو سر سجاد اس قسم کا ڈرامہ کیوں اسٹیج کرتا۔ میجر سعید کا بلیک میل کرنے کا مواد کچھ کاغذات اور دستاویزات کی شکل میں تھا جس کے متعلق سر سجاد نے اُسے کہہ رکھا تھا کہ وہ انہیں ہر وقت ساتھ ہی رکھتا ہے۔ لہٰذا جب سر سجاد کے قتل کی خبر مشہور ہوئی تو اُس نے سوچا کہ وہ سب کچھ یقینی طور پر اس کے ساتھ کوٹھی ہی میں رہا ہوگا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں وہ کاغذات پولیس کے ہاتھ نہ لگ جائیں۔ لہٰذا وہ جان پر کھیل کر عمارت میں داخل ہونے کی کوشش کرتا تھا۔ لیکن وہ شخص جس کے کتے نے زیدی اور طاہر پر حملہ کیا تھا میجر سعید ہرگز نہیں تھا۔ خود سر سجاد تھا۔ وہ جانتا تھا کہ میجر سعید کوٹھی میں داخل ہونے کی کوشش ضرور کرے گا اس لئے کوٹھی کی نگرانی ہونی چاہئے۔ اس کا اندازہ درست ہی نکلا تھا کہ وہ طاہر اور سعید سے ٹکرانے کے بعد نکل جانے میں کامیاب ہو جائے گا۔ اس کے بعد سعید آ پھنسا۔ اس نے محض دھمکانے ہی کے لئے ٹامی گن سنبھال رکھی تھی۔ اگر وہ چاہتا تو مجھے جھاڑیوں میں ختم ہی کر دیتا۔ لیکن اُس نے صرف دھمکا کر نکل جانے کی کوشش کی تھی۔ بہرحال وہ پکڑ لیا گیا۔ گو اُس نے ڈکیتی کا اعتراف نہیں کیا لیکن پھر بھی کیا آپ یہ سوچ سکتے تھے کہ اس کے علاوہ کوئی اور مجرم ہوگا جب کہ اتنی وافر مقدار میں منشیات اس کے یہاں سے برآمد ہوئی تھیں اور وہ ڈائنامائیٹ قطعی طور پر رکھوائے گئے تھے جب کہ بینک کی ڈکیتی کا شبہ قوی تر ہو جائے۔ ادھر میں نے اپنی مہم تیز تر کر دی تھی۔ حمید کو ایسی جگہوں پر بھیجتا رہتا تھا جہاں اس کے گرگے اکٹھا ہوا کرتے تھے، خود بھی فریدی کی حیثیت سے اُن لوگوں کا تعاقب کرتا پھرتا تھا، مگر اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ سرگروہ یہی سمجھے کہ میر

معمولی طریقوں سے آگے نہیں بڑھ سکا۔ دوسری طرف لٹیرے کی حیثیت سے واقعی کام کر رہا تھا۔ میرے پاس کچھ تحریریں بھی تھیں، جو سرگروہ نے اکثر اپنے گرگوں کو بھیجی تھیں۔ میں ان کی فکر میں تھا۔ سر سجاد نے قریبی تعلق رکھنے والوں کی تحریریں چیک کرتا پھر رہا تھا۔ یہ بتادوں کہ اس دوران میں سر سجاد کے ڈرامے میں بعض خامیاں نظر آجانے پر میں اس کی طرف سے بھی غیر مطمئن ہو گیا تھا اس لئے اس کی لائبریری میں بھی گھسنا پڑا۔ لیکن وہاں مجھے کچھ نہ مل سکا اور یہ بہت اچھا ہوا تھا کہ میں لٹیرے ہی کے روپ میں وہاں پہنچا تھا بعد میں یہی چیز کام آگئی۔ کرائم رپورٹ کی وہ خبر میں نے ہی دی تھی اور یہاں دفتر میں لٹیرے والی حرکت کی پبلسٹی کا یہی مطلب تھا کہ یہ بات پھیلے۔"

"مگر مجھے تو ایسا ہی معلوم ہوا تھا جیسے سچ مچ دو آدمی ٹکرا گئے ہوں۔" ایس۔ پی بولا۔

"ایکٹنگ ہی ٹھہری۔" فریدی مسکرایا۔ کرائم رپورٹ نے اس خبر کی تردید کر دی اور خیال ظاہر کیا کہ ہو سکتا ہے وہ تحریر لٹیرے ہی کی طرف سے بھیجی گئی ہو، اس مقصد کے تحت کہ وہ نامعلوم آدمی مرعوب ہو کر بلیک میل ہو جائے۔ اس سے پہلے بھی میں مختلف طریقوں سے اس کی پبلسٹی کراتا رہا تھا کہ نامعلوم مقتول کے پاس سرگروہ کے خلاف کافی ثبوت تھے، جواب لٹیرے کے ہاتھ لگ گئے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے گروہ کے لوگوں کے ذریعہ اُسے پھانسنے کی کوشش کرنے لگا۔ ادھر سر سجاد پر اچانک گٹھیا کے حملے نے بھی میرے شبہات کو مزید تقویت دی۔ میجر سعید کی گرفتاری کے بعد تو میدان ہی صاف ہو گیا تھا۔ سر سجاد نے سوچا کہ بس یہ اب آخری کانٹے یعنی لٹیرے سے بھی چھٹکارا مل جاتا تو بہتر تھا۔ ادھر میجر سعید نے تنہائی میں مجھے بیان دیا ہے اسے میں نے کسی کے علم میں نہیں لایا، اور اسے سختی سے منع کر دیا کہ میرے تجویز کردہ بیان کے علاوہ اور ایک لفظ بھی اپنی زبان سے نہ نکالے۔ ظاہر ہے کہ اب سر سجاد ہی میرا شکار تھا اور دوسری طرف سر سجاد لٹیرے کی تاک میں تھا۔ اُسے یقین ہو گیا تھا کہ لٹیرا اسی کے چکر میں ہے ورنہ اس کی لائبریری میں اس طرح کیوں گھستا۔ پچھلی رات جب اس نے سنا کہ وہ لائبریری میں موجود ہے تو گویا اسے تو منہ مانگی مراد ملی۔ اس عمارت کے نیچے بھی تہہ خانوں کا جال اس طرح بچھا ہوا ہے کہ ایک کمرے سے دوسرے میں بہ آسانی گذر ہو سکتا ہے۔ پھر اس کے بعد جو کچھ ہوا آپ نے دیکھا ہی ہے۔ یہ تہہ خانے ایسے تھے کہ ان کی موجودگی کا شبہ ہو جانے کے باوجود بھی انہیں دریافت نہ کیا جا سکتا۔ یہ بھی محض اتفاق ہے کہ وہیں سے لوٹ کا مال بھی برآمد ہو گیا۔"

"میں کہتا ہوں میجر سعید کے بیان کے بعد اس ڈھونگ کی ضرورت ہی نہیں تھی۔"

ایس۔پی نے کہا۔

”میجر سعید کا بیان کوئی عدالت اسی وقت تسلیم کرے گی، جب وہ دستاویزات پیش کی جائیں جن کے ذریعہ سر سجاد اُسے بلیک میل کرتا رہتا تھا لیکن سر سجاد نے تو انہیں اسی رات کو تلف کر دیا تھا جب میجر سعید کو پھانسنے کی اسکیم بنائی تھی۔ بہت ضروری تھا جناب کہ سر سجاد کو رنگے ہاتھوں پکڑا جاتا ورنہ اس کے خلاف ثبوت کہاں تھے ہمارے پاس۔ یہ کیس صرف وکلاء کی ذہنی جمناسٹک کا شکار بن کر رہ جاتا۔ کیونکہ سر سجاد نے اپنے قتل کے سلسلے میں جو فراڈ کیا تھا اُسے بھی ایک ذمہ دار آفیسر پر ظاہر ہی کر دیا تھا اور خود آفیسر ہی کے مشورے کی بناء پر روپوشی اختیار کی تھی۔ اتنے چالاک مجرم صرف ضابطے کی کاروائیوں سے قابو میں نہیں آیا کرتے ان کے ساتھ فراڈ بھی کرنا پڑتا ہے۔ یہی ہے میرا عام طریق کار جسے آپ لوگ پسند نہیں کرتے۔“

فریدی خاموش ہو گیا.... اور اب سبھی خاموش تھے۔ حمید اس معصوم لڑکی کے لئے مغموم تھا جو اب شاید یہی سوچتی ہو کہ اے کاش اس کا باپ سچ مچ ہی قتل کر دیا گیا ہوتا۔

پھر.... تیسرے دن وہ آدمی بھی پکڑ لیا گیا، جو سراغ رسانی کے دفاتر کی خبریں سر سجاد تک پہنچایا کرتا تھا۔ اس کے لئے اُسے سر سجاد سے بھاری رقوم ملتی تھی۔ مگر وہ بھی اس کی شخصیت سے واقف نہیں تھا۔ بس گروہ کی ایک لڑکی کے چکر میں پھنس کر وہ ضمیر فروشی پر آمادہ ہو گیا تھا۔

حمید ان تحریروں کے متعلق الجھن میں تھا جو گروہ کی طرف سے مختلف لوگوں کو ملا کرتی تھیں۔ کیا وہ سر سجاد کی تحریریں ثابت ہو سکی تھیں؟ کئی دنوں بعد اسے معلوم ہو سکا کہ وہ بائیں ہاتھ سے بھی لکھ سکتا تھا اور بائیں ہاتھ کی تحریر داہنے ہاتھ کی تحریر سے بالکل مختلف ہوتی تھی۔ اسی لئے وہ نڈر ہو کر بائیں ہاتھ کی تحریر کو پیغام رسانی کا ذریعہ بناتا تھا۔

ختم شد